# کہو مجھ سے محبت ہے



عابدہ نرجس

تنہا بیٹھی ہوئی سروش پوری سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ اسے کیا ہوا ہے۔ وہ تو اچھی بھلی ہنسنے کھیلنے والی لڑکی تھی۔ لیکن یکا یک وہ اتنی سنجیدگی سے کیا سوچنے لگی تھی۔ اسے اپنا آپ بڑا عجیب اجنبی سا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ، وہ نہیں رہی۔ جیسے اس کے اندر ایک اور سروش انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی ہے۔ ایسی سروش جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جسے وہ بالکل نہیں جانتی تھی۔ جسے وہ اس طرح دیکھ رہی تھی۔ جیسے پہلی بار کسی کو دیکھا جاتا ہے۔ جس پر نظر ڈالتے ہوئے وہ جھجک رہی تھی۔ جس کے اندر جھانکتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ جس سے نگاہ ملانے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔ جسے وہ بڑی حیرت اور استعجاب سے تک رہی تھی۔

کچھ ڈری ہوئی سی، کچھ سہی سہی، کچھ جھجکتی، لجاتی ہوئی سی۔ اسے ڈر تھا کہ اس کا یہ روپ کوئی دیکھ نہ لے، اس کی یہ انجانی سوچیں کوئی پڑھ نہ لے، تصورات کے یہ نرالے رنگ کہیں جگمگا نہ اٹھیں۔

وہ تو ابھی خود بھی ان سے پوری طرح آشنا نہیں تھی۔ ان سوچوں کو اس نے پرکھا نہیں تھا۔ ان رنگوں کو اس نے پہچانا نہیں تھا۔ لیکن اک انوکھی مسرت نے اسے سرشار کر دیا تھا۔ جو کہیں اندر سے ہی پھوٹ رہی تھی۔ اور اس کی پھوار میں وہ شرابور سی ہو گئی تھی۔ اسے اپنے چہرے کے گرد روشنی کے اک ہالے کا سا احساس ہوتا تھا۔ آئینہ دیکھے بنا ہی اسے اپنی کشش اور دلکشی کا یقین سا ہو گیا تھا۔

اسے اپنی طرف اٹھتی ہوئی ہر نگاہ میں ستائش اور پسندیدگی کی جھلک نظر آتی تھی۔ اسے محسوس ہوتا تھا۔ جیسے وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے۔ اس کے اندر اک عجیب جذبہ اعتماد اور تفاخر پیدا ہوگیا تھا۔ وہ یوں سب سے بے نیاز ہوگئی تھی جیسے کسی کی پروا نہ ہو، جیسے کسی کی ضرورت نہ ہو۔

خود کو دیکھنے، خود میں جھانکنے اور خود کو محسوس کرنے میں بڑی لذت تھی۔ اپنا ہی مشاہدہ کرنے میں کتنا مزہ تھا۔ اپنے ہی قریب آجانے کا لطف سوا تھا۔ وہ اپنی ہی دوست بن گئی تھی۔ اپنی مداح، اپنی پرستار۔

یہ سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ متحیر سی ہوگئی تھی۔ لیکن اس تحیر میں جو انبساط آمیز سرشاری اور شادمانی تھی۔ وہ اس کیفیت میں ڈوب ڈوب جاتی تھی۔ اک انوکھی اور نرالی کیفیت، جس نے اسے بالکل ہی بدل دیا تھا۔ اسے کوئی اور ہی لڑکی بنا دیا تھا۔ بڑی اہم، بڑی نرالی حسین اور پراعتماد لڑکی۔ جسے اپنی اہمیت، اپنے حسن اور اپنی کشش کا بھرپور احساس تھا۔ جو تروتازہ اور خوبصورت مہکتے ہوئے گلاب کی طرح سر اٹھائے تھی۔ اسے کسی پھول کی مہلک سے، کسی پھول کے رنگ سے کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ وہ اپنے طور پر مکمل ممتاز اور آسودہ تھی۔

اس کے لبوں پر اک نرالی مسکراہٹ تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک سہانا خواب تھا۔ اس کے چہرے پر اک نیا رنگ تھا۔ وہ تنہا نہیں تھی۔ خوبصورت اور انجانے تصورات کے اک جھرمٹ نے اسے گھیر رکھا تھا۔ وہ تصورات کی اک پرت اٹھاتی تھی۔ اور اس کے اندر جھانکتی تھی اک اک رنگ کو چھوتی تھی۔ پہچانتی تھی۔ وہ رنگوں نغموں اور خوشبوؤں میں کھوگئی تھی۔

وہ ننھا منا سا شریر لمحہ بار بار آکر اسے چھیڑتا تھا۔ اسے چھو چھو لیتا تھا۔ اسے گدگداتا تھا۔ اس کے کانوں میں سرگوشیاں کرتا تھا۔ وہ بڑی تمنا سے، بڑے ارمان



سے، بڑے اشتیاق سے اس کی یہ خوبصورت چھیڑ چھاڑ دیکھ رہی تھی۔ اس سے محظوظ ہورہی تھی۔

وہ اس لمحے کو بڑی پریت، بڑی محبت سے اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی۔ زندگی بھر اپنے ساتھ بے حد عزیز شے کی طرح ہمیشہ اپنے قریب اپنی مٹھی میں، اپنی روح میں، اپنے دل میں کہ سب سے چھپ کر جب چاہے اسے دیکھ لے، جب چاہے اسے نغمے کی طرح گنگنا لے، جب چاہے اسے چھولے۔

یہ پیارا لمحہ کس طرح اچانک اس کی زندگی میں آن سجا تھا۔ اتنا روشن اور حسین لمحہ کہ اس نے آنے والے سارے لمحوں کو اجال دیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں سوچ سوچ کر محظوظ ہورہی تھی کہ یہ کنول ایک ایسا کھلا ہوا لمحہ کس طرح نکھر کر بہتی ہوئی زندگی کی سطح پر ابھر آیا تھا۔



عامر اب وہ عامر نہیں رہا تھا۔ جو بالکل اک عام سا لڑکا تھا۔ ان کا دور کا رشتہ دار بھی تھا۔ اور ہاسٹل میں کمرہ خالی نہ ہونے کے سبب ان کے یہاں ہی رہائش پذیر تھا۔ جس کے آنے پر اس نے بڑی ناک بھوں چڑھا کر جگنو کو اپنے کمرے میں جگہ دی تھی۔ تاکہ راجہ کے کمرے میں اس کیلئے گنجائش نکل آئے۔

وہ اس کی آمد سے، اس کی موجودگی سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اسے ایک معمولی واقعہ سمجھ کر نظر انداز کرگئی تھی۔ وہ اس سے اکثر بات کرلیتی تھی۔ کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ بے تکلفی سے مانگ لیتا۔ شام کو ان کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا، کبھی باورچی خانے میں آکر وہیں بیٹھ کر کھانا کھانے لگتا۔ پسند کی چیز نہ پکی ہوتی تو خوب شور مچاتا۔

مگر وہ اس کیلئے کبھی اتنا اہم نہیں ہوا تھا۔ بس گھر کے اک فرد کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ یا اس کی حیثیت اک خوش اخلاق مہمان کی سی تھی۔ جس کے جلد یا بدیر رخصت ہو جانے کا یقین ہوتا ہے۔ جس کی تواضع کرنا، جس کے آرام کا خیال رکھنا معمولات میں شامل ہوتا ہے۔

لیکن آج اچانک گلاب کی کیاریوں کو ٹھیک کرتے ہوئے اس نے قدموں کی آہٹ پر مڑ کر دیکھا تو عامر اس کے عقب میں تھا۔ وہ پلٹ کر پھر کام میں مصروف ہوگئی۔ اور کیاریاں سنوارنے لگی۔ وہ کچھ دیر اس کے پیچھے کھڑا رہا۔ پھر اس کے قریب ہی اسی کی طرح زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ سروش نے پھر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر کوئی چونکا دینے والا، مسحور کر دینے والا جذبہ نہیں تھا۔ وہ بظاہر کچھ لاتعلق سا اور خاموش تھا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔

سروش نے اس کے چہرے سے نگاہ ہٹالی۔ اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس کے سفید ملائم ہاتھ مٹی سے بھر گئے تھے۔

''دیکھو تم نے اپنے ہاتھ کتنے گندے کر لئے ہیں۔'' عامر نے اچانک کہا۔

''ابھی دھولوں گی۔'' سروش مسکرائی۔

''نہیں ابھی دھوؤ۔ مجھے اچھے نہیں لگ رہے ہیں۔ تمہارے یہ مٹی سے بھرے ہوئے ہاتھ۔'' اس نے عجیب ہٹیلے لہجے میں کہا۔ جس میں تحکم کی آمیزش تھی۔

سروش ہنس پڑی۔ ''کہا ہے نا دھولونگی ابھی۔'' اس نے بدستور کنکر چنتے ہوئے کہا۔

''نہیں ابھی دھوؤ اسی وقت۔'' عامر نے اس کے ہاتھوں میں سے کنکر گرا دیئے۔ قریب پڑا ہوا پانی کا پائپ اٹھایا اور اس کے ہاتھوں سے مٹی چھڑانے لگا۔

سروش نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا کر رہے ہو؟ چھوڑو نا میرے ہاتھ



میں خود ہی دھولونگی۔''

''نہیں۔'' عامر نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں اتنا زور تھا، اس کا لہجہ اتنا قطعی تھا، اس کا انداز اتنا جارحانہ تھا کہ سروش نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ پانی کی ٹھنڈی پھوار سے دونوں کے ہاتھ بھیگ رہے تھے۔

سروش نے اس کی آنکھوں میں ایک نئی دنیا دیکھی۔ ایک نئی اور نرالی سجی سجائی بنی سنوری دنیا۔ اک ایسا جہاں، اک ایسی کائنات جس میں کھو جانے کو دل مچل جائے، جس میں بس جانے کی تمنا ہونے لگے، جس کو اپنا لینے کی آرزو زندگی بن جائے۔ اک تر و تازہ کیفیت میں سروش کو یقین سا ہو گیا کہ یہ کائنات اس کیلئے ہے۔ اس کی آنکھوں میں جو اک دنیا بسی تھی۔ وہ اسی کیلئے سنوری تھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے گلاب کے پودے مہکتے ہوئے گلابوں سے لد گئے ہیں۔ فضا میں خوشبو کے جھالے سے بکھر رہے ہیں اور وہ پھولوں کی شہزادی کی طرح کلیوں کا تاج سجائے خوشبو میں لپٹی ہے۔

عامر نے کچھ نہیں کہا۔ نہ ہی سروش نے کوئی لفظ بولا۔ بس اس ایک لمحے میں ہی دونوں نے ایک دوسرے کے اندر جھانک لیا۔ ایک دوسرے کو سمجھ لیا۔ ایک دوسرے کو یقین دلایا اور عامر نے اک مہکتا ہوا سرخ گلاب اس کی بھیگی ہوئی حنائی ہتھیلیوں پر رکھ دیا۔ وہ گلاب ابھی تک اس کی مٹھی میں بھینچا تھا۔

اس کا تصور من میں چٹکیاں لینے لگا تھا۔ اس کی موجودگی نے لمحوں کو بڑا ہی حسین بنا دیا تھا۔ اس کے نام نے تنہائیوں میں اک خوشگوار رفاقت کا روپ دھار لیا تھا۔ اس کی اک نگاہ من کو پھول کی طرح کھلا دیتی تھی۔ وہ اس کا نام پکار کر اسے اک مدھر نغمے میں ڈھال دیتا تھا۔ اس نے زندگی کو اک نرالا مفہوم دے دیا تھا۔ اس نے خود سے پیار کرنا سکھلا دیا تھا۔ اس کے ہونے سے لمحے پھول کی طرح کھل اٹھتے تھے۔ اس کی

خاموشی بولتی تھی۔ اس کا تکلم گدگداتا تھا۔ وہ اتنا قریب آ گیا تھا، کہ آنکھیں اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتی تھیں۔ وہ دل میں اس حد تک جاگزیں تھا۔ کہ تصور میں اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ روح میں اس طرح اتر گیا تھا۔ کہ اس کے سوا کسی کی آرزو نہیں تھی۔ وہ مسحور ہوگئی تھی۔ وہ کھوگئی تھی۔ وہ حیران ہوکر سوچتی تھی کہ کیا یہی محبت ہے؟

لیکن اسے خود کو بتانے خود کو یقین دلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا انگ انگ اس کا رواں دواں اس رنگ میں رنگا گیا تھا۔ اسے ہر سمت سے اسی کی صدا آتی تھی۔ اسے ہر طرف وہی نظر آتا تھا۔ اس کے لبوں پر ایک ہی نغمہ تھا۔ جو صرف عامر کیلئے تھا۔ یہ سب کچھ اتنا انوکھا اتنا نرالا، اتنا قریب اور اس کے اپنے اندر تھا۔ کہ وہ ہر لمحے اک نرالے احساس سے ہمکنار ہونے کو محبت کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

لمحے تتلیاں سی بن کر اڑ رہے تھے۔ وقت خوشبو کی طرح گردوپیش پھیلا تھا۔ وہ دونوں اک انوکھے جذبے میں سرشار وقت کی مہربانیوں کا لطف اٹھا رہے تھے، کہ عامر کو گھر سے بلاوا آ گیا۔

سروش دھک سے رہ گئی۔ اسے سہانا خواب ٹوٹ جانے کا سا احساس ہوا۔ وہ اتنی سی بات سے پریشان ہوگئی۔ اس کی جدائی کے خیال سے اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی۔ عامر نے اسے تسلی دی کہ اسکی بہن کی منگنی ہونے والی ہے اسی لئے اسے اچانک بلایا گیا ہے۔ لیکن وہ بہت جلد واپس آنے کی کوشش کرے گا۔

سروش نے دل کو تسلی دے لی۔ لیکن اداسی رگ وپے میں اترتی جاتی تھی۔ اس کا تلخ ذائقہ اس کے روئیں روئیں میں بس گیا تھا۔ عامر کیا گیا تھا۔ من کی ساری جولانیاں، دل کی خوشیاں اور روح کی سرشاریاں ساتھ لیتا گیا تھا۔ کچھ بھی تو اچھا نہیں لگتا تھا۔ لمحوں سے جیسے سارے رنگ اڑ گئے تھے۔ گردوپیش سے جیسے حرکت وحرارت غائب ہوگئی تھی۔ ہر طرف ایک پژمردگی چھائی تھی۔ وہ حیران ہوکر سوچتی تھی کہ عامر اس



کیلئے کیا بن گیا ہے۔



انہی دنوں رضی بھیا کسی دورے پر جاتے ہوئے ان کے یہاں کچھ روز کیلئے رک گئے۔ وہ بڑے ہی خوش مزاج انسان تھے۔ سب سے خاصے بے تکلف تھے۔ ان کے آجانے سے گھر بھر میں اک گہما گہمی اور رونق کا سا سماں پیدا ہوجاتا تھا۔

راجہ سے ان کی گاڑی چھنتی تھی۔ دونوں اکٹھے ہوجاتے تو گھر بھر میں اودھم مچادیتے۔ ابھی جگنو کو تنگ کیا جارہا ہے، تو ابھی نازش کی شامت آئی ہے اور نہیں تو سروش کی دوستوں کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ ان کے عجیب وغریب نام رکھے جارہے ہیں۔ دونوں کسی نہ کسی کے لئے آفت بلائے رکھتے تھے۔



سروش جو عامر کے جانے سے بڑی بیزار اور پژمردہ سی ہورہی تھی۔ ان کے اچانک آجانے سے کچھ بہل گئی تھی۔ ان کے ساتھ اس کی بھی طویل نشستیں رہتی تھیں۔ ان کا مطالعہ گہرا تھا۔ دلچسپ گفتگو کرتے تھے۔ اکثر اسے کسی بحث میں الجھا دیتے۔ کہاں کہاں سے دلیلیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے اور اسے زچ کر کے خوب ہی لطف لیتے۔

اکثر ان کا موضوع آزادی نسواں ہوتا۔ راجہ انہیں خوب لقمے دیتا۔ دوسری طرف سروش اور نازش ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتیں لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو پاتا۔ سب ہی اپنے مؤقف سے ڈٹ جانے اور اک دوسرے کی دلیل کو رد پر رد کرتے۔

اس بار بھی ان کے پسندیدہ موضوعات پر خوب بحث مباحثہ ہوتا رہا تھا۔ مگر اک روز انہوں نے موضوع بدلا اور بڑی سنجیدگی سے اس سے پوچھنے لگے۔ سروش بھئی تمہارا کیا پروگرام ہے؟

''میرا پروگرام۔ کونسا پروگرام؟'' سروش نے پوچھا۔

''زندگی کا پروگرام۔'' وہ بڑے اطمینان سے گویا ہوئے۔

''یعنی!'' اس نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے۔

''یعنی سولہ سترہ جماعتیں پڑھ کر جب تمہیں سرخاب کے پر لگ جائیں گے تو تم کیا کرو گی۔'' انہوں نے اپنے مخصوص شگفتہ انداز میں پوچھا۔

سروش کو ہنسی آگئی۔ ''ظاہر ہے پھر تو اڑوں گی۔''



''میں صرف تمہاری حد پرواز، تمہارا رخ اور رفتار فی گھنٹہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''پرواز تو بلندی کی جانب ہی ہوا کرتی ہے۔'' وہ بولی۔

''اور رخ۔''...... انہوں نے پوچھا۔

''رخ اسی وقت متعین ہوگا۔'' سروش نے روانی سے کہا۔

''اچھا بھئی اب مجھے سنجیدگی سے بتاؤ کہ تمہارے سامنے کوئی مقصد بھی ہے یا بس یونہی ڈگری لینے کے شوق میں دھڑا دھڑ جماعتیں پاس کرتی جاتی ہو۔''

سروش کی آنکھوں میں عامر کے تصور نے ایک چمک سی بھر دی۔ اس کے سجیلے ارمان اس کے رخساروں پر گلاب سے بن کر کھل اٹھے۔ وہ اک لمحے کو آنے والے وقت کے خیالوں میں کھو گئی۔



زندگی اس کیلئے کتنی محبوب تھی۔ اس کے پاس زندگی بسر کرنے کا جواز تھا۔ اس نے حیات کی سب سے بڑی خوشی پالی تھی۔ ایسی مسرت جو ہمیشہ ساتھ رہنے والی تھی۔ جو ساری زندگی پر محیط تھی۔ جو زندگی کا محور اور مرکزی نقطہ تھی۔ اب تو اسے کچھ اور سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے کوئی پروگرام نہیں بنانا تھا۔ وہ تو اپنے لئے سارے فیصلے کرنے کا حق کسی اور کو سونپ چکی تھی۔ یہ سب کتنا دلربا، سنسنی خیز اور مطمئن کر دینے والا تھا۔ کہ اس کیلئے کوئی اور سوچے گا۔ اس کی خاطر کوئی اور فیصلے کرے گا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر کوئی اور منزل تک لے جائے گا۔

اس کے حسین تصورات کا عکس اس کے دلنواز چہرے پر بھی پڑ رہا تھا۔ اس کی دلکش آنکھیں گلابی ہوگئی تھیں۔ اس کے رخساروں پر اک انوکھی چمک تھی۔ رضی بھیا

بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جیسے اس کی سوچوں کو پڑھ لینا چاہتے ہوں۔ جیسے اس کی دھڑکنوں کے معنی سمجھ لینا چاہتے ہوں۔ جیسے اس کے من میں جھانک لینا چاہتے ہوں۔ وہ ابھی خاموش ہی تھی کہ انہوں نے اپنا بڑا سا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر اسے کئی بار ہلایا اور زور دار لہجے میں بولے۔ ''تمہاری خاموشی کہہ رہی ہے کہ تم محبت کرنے لگی ہو۔''

سروش چونک گی۔ وہ ان کی صاف گوئی پر ہک بک رہ گئی۔

وہ مسکرائے۔ ''تمہاری اس حیرانی نے بتایا ہے کہ میرا اندازہ سو فیصد درست ہے۔''

سروش نے سنبھل کر کہنا چاہا۔ ''نہیں رضی بھیا آپ تو ایسے ہی.....'' وہ بات مکمل نہ کر سکی۔ اس کا لہجہ بے حد کمزور تھا۔ وہ ان سے نگاہیں چرا رہی تھی۔

''تمہارا یہ نگاہیں چرانا بتا رہا ہے کہ جس سے تم نے محبت کی ہے۔ وہ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے میں نہیں ہوں۔ انہوں نے اس لہجے میں کہا کہ سروش کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

اور تمہاری اس ہنسی نے کہہ دیا ہے میرا یہ اندازہ بھی درست ہے۔ اور مجھے اپنی ساری خوش فہمیاں اور غلط فہمیاں نہایت شرافت کے ساتھ دور کر لینی چاہئیں۔'' انہوں نے بڑے ہی پرسکون انداز میں کہا۔ تو سروش نے سر اٹھا کر ان کی طرف غور سے دیکھا۔ ان کے لفظوں کی سچائی ان کے چہرے پر جھلک رہی تھی۔ وہ ان کا احترام کرتی تھی۔ انہیں پسند کرتی تھی۔ ان کی موجودگی میں خوش رہتی تھی۔ لیکن ان کیلئے پسندیدگی کے جذبات میں کبھی وہ شدت اور لذت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جو از خود اپنا آپ منوا لیتی ہے۔ جو زندگی کا رخ بدل دیتی ہے۔ جو وقت کا دھارا موڑ دیتی ہے۔ جو سارے وجود میں اتر جاتی ہے۔



اس نے بڑے لگاؤ سے ان کی طرف دیکھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی

''رضی بھیا! میں آپ کا احترام کرتی ہوں۔''

وہ ہنسے۔ ''محبت کی بنیاد احترام بھی تو ہوتا ہے سروش۔ لیکن جس انداز میں تم نے کہا وہ کچھ بزرگانہ سی محبت ہوتی ہے اس کو شفقت کہتے ہیں شاید۔''

سروش کو وہ اس ہلکے پھلکے انداز میں بات کرتے بہت اچھے لگے۔ وہ کھل کر مسکرائی۔ ''رضی بھیا! میں واقعی آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔''

''لو اور سنو'' ارے لڑکی۔ تم مجھے اپنا سرپرست یا بزرگ بنانے پر کیوں تلی ہوئی ہو۔ اب میں تم سے اتنا سینئر بھی نہیں ہوں کہ یہ عہدہ بخوشی قبول کر لوں۔''

''تو پھر میں یوں کیوں نہ کہہ دوں کہ آپ میرے اچھے دوست ہیں۔''

''ہاں یہ ہوئی نا بات۔'' وہ خوش دلی سے بولے۔

''لاؤ ہاتھ۔'' انہوں نے اپنا بڑا سا ہاتھ پھیلایا۔ سروش نے اپنا خوبصورت ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اور پوری سچائی سے بولی رضی بھیا! مجھے آپ پر اعتماد ہے ہم بہت اچھے دوست ثابت ہوں گے۔

''مجھ پر اعتماد ہے۔'' انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ سروش نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ تھوڑا سا جھکے اور دھیمے سے بولے۔ ''تو پھر مجھے بتا دو وہ کون ہے؟؟ سروش نے محجوب سی ہو کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔



کالج میں سارا وقت نیلم اس کے پیچھے پڑی رہی۔ بات وہی ایک تھی۔ جو ہر دوسرے تیسرے دن سننے میں آتی تھی۔ وہی مسئلہ جو عموماً درپیش رہتا تھا۔ نیلم کی پھر عدنان سے لڑائی ہو گئی تھی۔

عدنان اس کے بچپن کا ساتھی اور منگیتر تھا۔ دونوں میں محبت بھی تھی۔ لیکن اک دوسرے سے الجھنے کے موقع جیسے تلاش کرتے رہتے تھے۔ اکثر دونوں میں کسی معمولی بات پر ٹھن جاتی۔ ترکی بہ ترکی سوال جواب ہوتے۔ دونوں اک دوسرے کو بے نقط سناتے۔ منہ چڑانے اور دھول جمانے تک نوبت پہنچتی۔ دونوں ایک دوسرے کو کبھی نہ بات کرنے کی دھمکیاں دیتے۔ لیکن جلد ہی صلح کیلئے بے چین ہو جاتے۔ اکثر یہ خوشگوار فریضہ سروش کو ہی انجام دینا پڑتا۔

سروش کو بھی دونوں کی تکرار میں بہت لطف آتا تھا۔ وہ بڑی خوش طبعی سے دونوں کے درمیان رابطہ بن جاتی۔ وہ بڑی زندہ دلی سے اک دوسرے کی شکایتوں کا دفتر کھول دیتے۔ اور صلح کر لینے پر بھی فوراً آمادہ ہو جاتے۔ آج بھی یہی معاملہ تھا۔ نیلم بڑی شدومد سے اسے جھگڑے کی تمام تفصیلات سے آگاہ کر رہی تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ عدنان سے صلح کرنے کو بھی بے تاب ہے۔ سروش کو ہنسی آ گئی اس کے ہنسنے سے وہ چڑ کر بولی۔

"تم ہنسے جاؤ اچھا۔ خوب مزے لو اور یہاں جان پر بنی ہے۔ آج تو باقاعدہ فائٹ ہوئی ہے۔ بس اس عدنان کے بچے کی ہی بات زہر لگتی ہے۔ بڑا حق جماتا ہے۔ اپنی طرف سے۔ کمینہ جیسا۔" وہ بظاہر اسے برا بھلا کہہ رہی تھی۔ لیکن لہجے کی مٹھاس چھپی نہیں تھی۔

سروش مسکرائی۔ "نیلم وہ تجھ سے محبت بھی تو کرتا ہے۔ تجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا کہ اسے تیرا کتنا خیال ہے وہ تیری ذرا سی بے توجہی برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ تجھے خود سے وابستہ دیکھنا چاہتا ہے۔"

نیلم چلتے چلتے رک گئی اور اسے سر سے پیر تک بڑے غور سے دیکھ کر بولی۔

"خیریت تو ہے ایسی حکیمانہ گفتگو تو آج پہلی مرتبہ آپ کی زبان سے سنی ہے۔"



سروش اس کے غیر متوقع سوال اور شریر انداز سے جھینپ سی گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "میں تو تمہیں سمجھا رہی تھی نیلم۔ یہ روز روز لڑنا بھی تو اچھا نہیں۔"

"لیکن آپ کا انداز بڑا جہاندیدہ ہے؟" وہ اس کی بات کاٹ کر آنکھیں نچاتی ہوئی بولی۔

"آپ کے اقوال زریں سے تجربے کی سوندھی سوندھی مہک آ رہی ہے۔" اس نے نتھنے پھلا کر سونگھنے کی اداکاری کی۔

سروش گڑبڑا گئی۔ "ایسے ہی بکواس نہ کیا کر۔"

"خیر ایسے تو میں بکواس نہیں کیا کرتی۔ آثار بتاتے ہیں کہ کوئی بات ہے ضرور۔" اس نے شرارت سے آنکھ دبائی۔ سروش بہتیرا پہلو بچاتی رہی۔ لیکن نیلم اس کی جان کو آ گئی۔ اسے شک ہو گیا تھا۔ اور اب وہ پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ سروش طرح دیتی رہی لیکن اس نے اگلوا کر ہی دم لیا اور ہنس کر بولی۔ "ہوں!! تو آج کل تمہارے یہ ٹھاٹھ ہیں۔"

سروش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یونہی ہونٹ بھینچے مسکراتی رہی۔ نیلم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خوشدلی سے بولی۔ "آؤ تمہیں کوک پلاؤں۔ تمہاری پہلی محبت کا جام۔"

سروش کو ہنسی آ گئی۔ اسے ٹھوکا دے کر بولی۔

"پہلی کیوں کہتی ہے۔"

دونوں کوک پی کر اٹھیں تو نیلم کو پھر عدنان کا خیال آ گیا۔ کیونکہ یہ آخری پیریڈ تھا۔ وہ جلدی جلدی پھر اسے تمام معاملہ سمجھانے لگی "اے سروش! آج تو غضب ہی ہو گیا بڑی زبردست فائٹ ہوئی ہے۔ اس نے تو دھکا دے کر مجھے کار سے نکالا۔ کہہ رہا تھا میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ خیر لحاظ تو میں نے بھی نہیں کیا صاف کہہ دیا کہ میں بھی تمہاری منحوس شکل بالکل نہیں دیکھوں گی۔"

"اچھا۔" سروش نے ٹوکا۔ "پھر کیوں کہتی ہے کہ صلح کرادے۔"
نیلم کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "کیا کروں میری جان بس ذرا دل کا معاملہ جو ہے۔"

یوں تو دونوں نے اک دوسرے کی شکل نہ دیکھنے کی دھمکیاں دی تھیں۔ لیکن واپسی پر عدنان بڑی سعادت مندی سے نیلم کو لینے آ گیا۔ سروش کو ہمراہ دیکھا تو اس کے لبوں پر اک طرب انگیز مسکراہٹ آ گئی۔ مگر بظاہر اکڑا ہوا بیٹھا رہا۔ سروش نے کھڑکی میں جھانک کر اسے ہیلو کہا اور وہ چپ چاپ گاڑی چلانے لگا۔

"عدنان بھائی!" یہ آج موڈ کیوں خراب ہے۔ سروش نے شرارت سے پوچھا۔

"پوچھیے اپنے پہلو میں بیٹھی ہوئی اس بندریا سے۔ وہ جیسے اس کے سوال کا ہی منتظر تھا۔

"اپنی صورت دیکھی ہے کبھی۔" نیلم بھلا کس طرح خاموش رہتی۔

"تم سے تو اچھی ہے۔" وہ تنک کر بولا۔

"بڑی خوش فہمی ہے" نیلم نے چڑایا۔ "کبھی آئینہ دیکھ لیا کرو......"

"اپنے مشورے پر تم خود ہی عمل کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔" وہ بولا۔

"پلیز۔ عدنان بھائی! مجھے تو آپ کہیں اتار دیں۔"
سروش نے مداخلت کی۔

"ارے نہیں سروش بیگم! آج تو میں نے آپ کے سامنے بڑے دکھڑے رونے ہیں۔ وہ مزاحیہ انداز میں بولا۔

"میں نے بھی اپنی دکھ بھری کہانی تمہیں سنانی ہے۔" نیلم بھی اسی لہجے میں بولی۔



"ہائے اللہ! آپ دونوں کتنے دکھی ہیں۔ سروش نے منہ سکھا کر کہا تو دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔

موڈ تو خوشگوار ہو گیا تھا۔ لیکن گھر پہنچتے ہی دونوں نے شکایت کے دفتر کھول دیئے۔ جو بات نیلم بیان کرتی اسے عدنان پرلے درجے کی گپ قرار دے دیتا اور جو شکایت عدنان کو ہوتی اسے نیلم سفید جھوٹ قرار دے دیتی۔ بہتیری بحث ہوئی۔ بڑی لے دے ہوئی۔ لیکن آخر کار دونوں صلح پر آمادہ ہو ہی گئے۔



"چلئے جی ملایئے ہاتھ۔ عدنان بھائی آپ اٹھیں۔"

سروش نے کہا۔"واہ۔ میں کیوں اٹھوں اس نیلم کی بچی سے کہیئے کہ مابدولت سے آ کر معافی مانگے اور اگر ہاتھ وغیرہ ملانا ہو تو وہ بھی ملا لے۔"...... عدنان بڑی شان سے بولا۔"ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے۔"

"دیکھو۔ دیکھو سروش! منع کرو اس کو۔" نیلم نے احتجاج کیا۔

"ہوں...... ہوں عدنان بھائی بس اب اور کچھ نہیں کہنا۔" سروش نے اسے ٹوکا تو وہ بادل نخواستہ اٹھا۔ نیلم نے برا سا منہ بنا کر ہاتھ بڑھایا۔

"سروش بھئی!" عدنان نے روہانسی آواز میں کہا۔"اب میں اپنی قسمت کو نہ روؤں تو کیا کروں۔ ذرا میری ہونے والی مسز کی شکل تو دیکھئے۔"

سروش کو اس کے بے ساختہ پن پر ہنسی آ گئی۔ نیلم بھی اپنی ہنسی ضبط نہیں کر سکی۔ چائے وغیرہ پی کر دونوں اسے چھوڑنے چلے تو بڑے خوشگوار موڈ میں تھے۔ نیلم نے اگلی نشست پر اسے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا۔ راستہ بڑی پرلطف چھیڑ چھاڑ میں کٹا۔ سروش گاڑی سے اترنے لگی تو عدنان نے نیلم کے شانے پر سے دیکھ کر کہا۔

"سروش! بہت شکریہ...... بڑی نوازش۔"

سروش نے چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا اور خوشدلی سے بولی۔"اب کچھ دن آرام سے نکل جانے دیجئے گا کہیں راستے میں ہی لڑنا نہ شروع کر دیجئے گا۔"



"اپنی دوست کو سمجھائیے۔" عدنان نے نیلم کی طرف منہ چڑایا۔

"آپ بھی تو کم نہیں۔" سروش نے اسے چھیڑا۔ تو اس نے پاس بیٹھی ہوئی نیلم کو اس طرح دھکیلا کہ اس کا سر سروش کے سر سے جا ٹکرایا۔ سروش نے برا سا منہ بنا کر پیشانی سہلائی۔"بس عدنان بھائی اب نہیں بولوں گی آپ سے۔"

نہ...... نہ بھئی لیجئے کانوں کو ہاتھ لگا لئے۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے مزاحیہ انداز میں بولا ورنہ نیلم کا خون آپ کے سر ہوگا۔"

سروش نے مسکرا کر انہیں خدا حافظ کہا اور باہر نکل آئی۔ وہ گاڑی موڑ ے گیا تیز تیز چلتی وہ گلی میں مڑنے لگی تو اک لمحے کو ٹھٹک کر رہ گئی۔ اس کا دل پھول سا کھل اٹھا۔ اسے آج کا دن بڑا ہی خوبصورت اور روشن معلوم ہوا۔ وہ مجسم مسکراہٹ میں ڈھل گئی۔ اس نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے عامر کی طرف دیکھا جو گلی کے نکڑ پر کھڑا تھا۔ شاید وہ آج ہی واپس آیا تھا۔ لیکن وہ اس کی مسکراہٹ کے جواب میں مسکرایا تک نہیں۔ اس کی نگاہوں میں ابہام تھا۔ وہ جذبہ جو دل کو نرالی کیفیتوں سے آشنا کرتا تھا۔ ان خالی خالی آنکھوں میں کہیں نہیں تھا۔ سروش نے پھر ایک بار پلٹ کر بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اب تک وہیں کھڑا تھا۔ لیکن عامر کے بجائے کوئی اور شخص معلوم ہو رہا تھا۔ جسے وہ بالکل نہیں جانتی تھی۔



سروش کے من میں اک ہلچل سی مچی تھی۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ عامر اتنے دنوں بعد واپس آئے گا تو اس سے ملتے ہوئے آنکھوں میں نہ جانے کتنے ستارے چمکیں گے، رخساروں پر کتنے گلاب کھلیں گے۔ لبوں پر کتنے نغمے مچلیں گے، شاید کوئی لفظ بھی وصل کی ان خوشیوں کو بیان نہیں کر سکے گا۔ وفور جذبات میں دونوں کو کچھ نہیں

سوجھے گا۔ لیکن دلوں کی خوشی چہروں کو چاند بنا دے گی۔ نگاہوں کو جگمگا دے گی اور خامشی کو وصل کے گیتوں میں ڈھال دے گی۔

لیکن عامر تو وہ عامر معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ جسے اس نے چاہا تھا۔ جو اس کی زندگی بن گیا تھا۔ جو اس کی دھڑکنوں میں بسا تھا۔ لیکن اس کی نگاہوں کی اجنبیت نے اسے سہا دیا تھا۔ وہ محبت کرنے والی انجان دوشیزاؤں کی طرح انجانے اندیشوں سے لرز اٹھتی تھی۔ لیکن خود کو بہلا رہی تھی کہ ابھی وہ گھر آئے گا تو اس کے سارے اندیشے، تمام وسوسے اس کی چاہتوں کے سامنے ہیچ ہو جائیں گے۔

وہ انتظار کی ڈوبتی، ابھرتی ساعتوں میں ہچکولے لیتی رہی۔ لیکن عامر رات گئے تک نہیں آیا۔ اس کے کان اس کے قدموں کی آہٹ پر ہی لگے تھے۔ لیکن کوئی آواز اس کے آنے کی خبر نہیں دیتی تھی۔ وہ بہت دیر جاگتی رہی۔ لیکن وہ نہیں آیا۔ پھر نہ جانے کب سوگئی۔



صبح کالج کیلئے تیار ہو کر نکلی تو اسے اپنے کمرے سے نکلتے دیکھا۔ اس کا حلیہ خاصا عجیب وغریب ہو رہا تھا۔ بال بے ترتیب تھے۔ اور آنکھوں میں سرخی، شاید ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا۔ سروش غیر ارادی طور پر اس کے قریب آگئی اور شگفتگی سے اسے صبح بخیر کہا۔

اس کی فراخ پیشانی پر اک بل سا آگیا اور وہ اسے نظر انداز کر کے گزر گیا۔

وہ وہیں حیران سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس کی اس بے اعتنائی پر سروش بکھر کر رہ گئی۔ اس کے اغماض پر دل کی دنیا زیروزبر ہو گئی۔ وہ اس سے کھل کر بات کرنا چاہتی تھی۔ اس کی اس بے رخی کا سبب جاننا چاہتی تھی۔ اس کی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہتی تھی۔ بے



التفاتی اور اغماض کے یہ کھردرے لمحے اس پر قیامت بن کر گزر رہے تھے۔ اسی لئے شام کو اسے چائے دیتے ہوئے اس نے بڑے لگاؤ سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے عامر تم کچھ پریشان سے ہو۔؟''

عامر نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا بھی نہیں اور یونہی سر جھکائے ہوئے کرختگی سے بولا۔ ''کوئی بات نہیں۔''

''کوئی بات تو ہے نا جبھی آپ.....'' سروش کا جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

''کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ درشتی سے بولا جاؤ تم یہاں سے میرا دماغ نہ کھاؤ۔

سروش نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا۔ لیکن اس کے چہرے کی جھنجلاہٹ، اس کے لہجے کی تلخی، وہ کچھ کہہ رہی تھی جو سروش کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آرہے تھے۔ اگر وہ کچھ اور کہنے کی کوشش کرتی تو یقیناً رو پڑتی۔ اسی لئے وہ پلٹ آئی اور غسل خانے میں گھسی ہوئی کتنی ہی دیر روتی رہی۔ یہ بے التفاتی، یہ اغماض، یہ بے رخی اس کا معمول بن گیا تھا۔ اکثر دونوں میں کوئی بات نہ ہوتی اگر گفتگو کا موقع آجاتا تو تلخی اور بڑھتی۔ وہ بہت کم گھر میں ٹکتا تھا۔ عموماً رات گئے گھر آتا۔

سروش اک عجیب بے یقینی کے عالم میں تھی۔ نہ معلوم وہ کیا چاہتا تھا۔ اسے کیا ہو گیا تھا؟ وہ کیوں بدل گیا تھا؟ وہ خود کو بہلاتی رہتی کہ شاید وہ مذاق کر رہا ہے۔ شاید وہ اس کو آزما رہا ہے۔ لیکن یہ کیسی آزمائش تھی؟ جس نے چاہت کی ساری مٹھاس لوٹ لی تھی۔ محبت کے نرم و نازک قرینے چھین لئے تھے۔ پھول سا کھلتا دل ریت کے صحرا میں تبدیل ہو گیا تھا۔ گردوپیش سناٹا سا چھا گیا تھا۔ بھرے بھرے گھر میں وہ تنہا سی ہو گئی تھی۔ کھوئی کھوئی سی، الجھی ہوئی، پریشان جیسے راستہ بھول گئی ہو۔

♦……♦……♦

وہ بے طرح اداس ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔ کہ نیلم سے بات کرے گی تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

شاید وہ اسے بہلا دے گی۔ عامر کے دل میں جھانک لینے کی کوئی تدبیر بتا دے گی۔ لیکن وہ تو کالج ہی نہیں آئی تھی۔ سروش اور بھی پریشان ہوئی۔ وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ عجیب سی اکتاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اور وہ حیران بیٹھی سوچ رہی تھی کہ محبت کے رنگ کتنے انوکھے ہیں، کتنے نرالے، کتنے عجیب اور تحیر انگیز۔ کبھی یہ شعلہ ہے، کبھی شبنم، کبھی گل، کبھی خار، کبھی تبسم، کبھی آنسو۔"

دو ایک پیریڈ اس نے بمشکل گزارے اور اٹھ کر گھر چل دی۔ ابھی گیٹ تک ہی پہنچی تھی کہ نیلم آتی ہوئی نظر آئی۔ اسے دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ اس کے رخسار پر ایک پیار کر کے خوشی سے ہانپتی ہوئی بولی۔ آؤ چلو میرے ساتھ باہر عدنان کھڑا ہے۔

"لیکن کہاں نیلم؟" سروش نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے خود سے علیحدہ کیا۔

"شاپنگ کیلئے۔" وہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے بولی۔

"کس سلسلے میں۔" سروش نے پوچھا۔ بھئی شادی ہو رہی ہے ہماری اسی ہفتے وہ چٹکی بجا کر بولی۔ عدنان کو سکالرشپ مل گیا ہے میں بھی اس کے ساتھ ہی جاؤں گی۔

سروش دم بخود سی رہ گئی تو کیا نیلم چلی جائے گی۔ جو اس کی واحد دوست اور ساتھی تھی۔ جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکتی تھی۔ وہ کچھ اداس سی ہو گئی۔ نیلم اس کا بازو پکڑے اسے گیٹ کی طرف لے جا رہی تھی۔ اس کی زبان مسلسل چل رہی تھی۔ اور وہ پھولے ہوئے سانسوں کے درمیان اسے بتا رہی تھی کہ انہیں شادی کی فوری تیاری کیلئے کیا کچھ خریدنا ہے۔



اس کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے اس نے خوش دلی سے کہا۔ "عدنان بھائی مبارک ہو۔"

"شکریہ جی!……" وہ منہ سوکھا کر بولا۔ قسمت کا لکھا تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

سروش اس کی اداکاری سے محظوظ ہوئی۔ بہت اچھی قسمت ہے آپ کی۔

"یہ فقرہ آپ اپنی دوست سے کہئے اس پر زیادہ فٹ بیٹھے گا۔" عدنان نے اس طرح برجستہ کہا کہ سروش کے ساتھ نیلم بھی ہنس پڑی۔

♦……♦……♦

وہ سامنے کے چھوٹے آئینے میں سے دیکھ کر بولا۔ آج کل کی لڑکیوں کا تو دیدے کا پانی مر گیا ہے۔ پرسوں شادی ہے۔ ہونے والا مظلوم شوہر سامنے بیٹھا ہے اور ان کی بتیسی نکلی پڑتی ہے۔

"جی ہاں۔ ہم تو ہنس کر سولی چڑھیں گے۔" نیلم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

عدنان نے مسکرا کر گاڑی سٹارٹ کی اور انہیں مختلف بازاروں میں گھماتا رہا۔ لیکن دونوں کی جان اس نے آفت میں کر رکھی تھی۔ کچھ بھی تو آرام سے نہیں خریدنے دیتا تھا۔ ہر چیز میں سو سو کیڑے ڈالتا تھا۔ جلدی اس نے الگ مچا رکھی تھی۔ آخر نیلم کے ساتھ سروش نے بھی کھری کھری سنائیں تو وہ سب کچھ پھینک پھانک گاڑی میں بیٹھ رہا۔ کچھ چیزیں ابھی خریدنا باقی تھیں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ منہ سوجائے گاڑی میں ہی بیٹھا رہا۔ دونوں کو ساری خریداری بھی خود ہی اٹھانا پڑی۔ خدا خدا کر کے کہیں خریداری ختم ہوئی تو دونوں عدنان کو کوستیں گاڑی میں آن بیٹھیں۔ نیلم نے لمبا سانس

لے کر کہا۔ ''چائے پی کر چلیں گے۔''

''جی ہاں آپ کے نوکر ہیں نا جو سارا دن بیگم صاحبہ کو ہی گھماتے رہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہوٹلوں میں جھک مارنے کی سیدھے سیدھے گھر چلو'' ۔ وہ تو جیسے بھرا بیٹھا تھا۔ نیلم کا موڈ سخت خراب ہوا تنک کر بولی۔ ''ہم تو چائے پی کر ہی جائیں گے تم ہمیں مہران پر اتار دو...... اور جاؤ۔''





نیلم کی دھمکی کارگر ہوئی۔ عدنان برا سا منہ بنا کر ایک ریسٹورنٹ کے باہر رکا اور سروش نیلم کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ دونوں ایک میز پر بیٹھیں تو وہ بھی گاڑی بند کر کے اندر آ گیا۔

''اب کیوں آئے ہو؟'' نیلم نے چھیڑا۔

''تمہارے لئے نہیں آیا۔ میں سروش کے خیال سے آ گیا ہوں۔'' وہ تنک کر بولا۔ ''سروش بھی تو میری دوست ہے۔ تمہیں کیا ضرورت ہے اس کا خیال کرنے کی۔'' نیلم بھی تیز ہوئی۔

''ہے نا ضرور۔''!

''کیا ضرورت ہے؟''

''اگر سروش نہ ہو۔ تو تمہارا قتل میرے ہاتھ سے ہو جاتا۔'' وہ مسکراہٹ چھپا کر بولا۔

''اور اگر سروش نہ ہوتی تو تم بھی میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکتے تھے۔'' نیلم نے جواب دیا۔

''شکر ہے میں تھی۔ ورنہ دو قتل ہو جاتے۔'' سروش نے مزاحیہ انداز میں کہا تو دونوں ہنس پڑے۔

ایسی ہی خوشگوار باتوں میں چائے پی گئی۔ جب وہ اٹھ کر دروازے کے قریب

آئے تو اچانک سروش کی نگاہ ریسٹورنٹ کے ایک گوشے میں گئی اور وہ ٹھٹک گئی ۔ عامر وہاں اکیلا بیٹھا۔ اسی جانب تک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکوک کی پرچھائیاں صاف نظر آرہی تھیں۔

تمام بات ایک دم ہی سروش کے ذہن میں روشن ہوگئی۔ اسے یوں لگا جیسے سر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو۔ اس کا دل پھول سا ہلکا ہوگیا۔ عامر کی بے رخی نے دل پر جو قیامت ڈھائی تھی وہ اب ایک سرخوشی سی بن کر وجود پر چھانے لگی تھی۔ اپنا آپ بے حد اہم معلوم ہونے لگا تھا کہ اس کی خاطر وہ اتنا پریشان تھا۔ عدنان کو ان کے ساتھ دیکھ کر وہ نہ جانے کیا سمجھ رہا تھا۔

سروش دروازے کی طرف جانے کے بجائے نیلم کا بازو پکڑ کر اس میز کی جانب چلی آئی۔ جہاں عامر بیٹھا ہوا تھا۔ عامر کچھ گڑبڑایا۔ پھر اپنی نشست سے تعظیماً اٹھا۔ نیلم نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ سروش نے جلدی سے کہا۔ ''نیلم! یہ عامر ہیں۔''

''اچھا تو یہ ہیں۔ عامر صاحب!'' نیلم نے مسکرا کر شرارت سے سر ہلا دیا۔

''بہت خوب ہیں بھئی عامر صاحب!'' اس نے چھیڑا۔

عامر کچھ نہ سمجھتے ہوئے کبھی ایک کی طرف دیکھتا تھا۔ تو کبھی دوسرے کی طرف۔ تب تک عدنان بھی آ گیا۔

''بھئی یہ کیا ہو رہا ہے؟''

سروش اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ عامر! یہ عدنان بھائی ہیں ۔ اور یہ میری بہت عزیز دوست نیلم! اور دونوں کی عنقریب شادی ہونے والی ہے۔'' اس نے دیکھا کہ عامر کچھ چونکا ہے اور اس کی آنکھوں میں مفاہمت کا ایک رنگ اترا ہے۔ اس کے لیے دیئے انداز میں بھی تبدیلی کی جھلک نظر آئی ۔ اور اس نے عدنان کے ساتھ گرمجوشی



سے مصافحہ کیا۔

نیلم نے بے تکلفی سے پیشکش کی۔ ''عامر صاحب! ہم سروش کو گھر چھوڑنے جارہے ہیں۔ آپ نے چلنا ہو تو چلئے۔''

''بہت شکریہ! آپ لوگ چلئے۔ مجھے کچھ کام ہے۔'' اس نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

وہ نیلم کے ساتھ آگے بڑھ آئی۔ لیکن عامر کی نگاہوں کے کتنے ہی پیغام اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

نیلم اور عدنان کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ لیکن دوسرے روز جب وہ ولیمے پر پہنچی تو حسب عادت دونوں میں پھر ایک زوردار لڑائی ہو چکی تھی۔ نیلم منہ پھلائے بیٹھی تھی اور عدنان نہ جانے کہاں غائب تھا۔

سروش نیلم کو منا کر بیوٹی پارلر لے کر گئی۔ جب وہ تیار ہو کر آئی تو نہ صرف وہ خود بہت اچھی لگ رہی تھی بلکہ اس کا موڈ بھی اچھا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اندر آئیں۔ تو عدنان بھی آ چکا تھا اور گنگناتا ہوا ٹائی کی گرہ لگا رہا تھا۔

سروش نے نیلم کو پیچھے رکنے کا اشارہ کیا اور خود دروازے پر دستک دے کر عدنان کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ آئیے...... آئیے سروش کیسی ہیں آپ؟ وہ خوشدلی سے بولا۔

''میں تو ٹھیک ہوں۔ لیکن نئی نویلی دلہن کو آپ نے کیوں ناراض کیا ہے؟''

''کیوں...... اس کو کیا تکلیف ہے؟'' وہ انجان بن کر بولا۔



سروش نے پکا سا منہ بنا کر کہا۔ ''رو رہی ہیں بیٹھی ہوئی۔ جایئے منائیں جا کر وہ تو تیار بھی نہیں ہو رہی بہت ناراض ہے۔

''مناؤں گا تو کیا ہی دو چھانپڑ نہ کھا لے مجھ سے۔'' وہ ڈریسنگ روم کا پردہ کھینچتا ہوا بولا۔

نیلم جھینپ کر پیچھے ہٹ گئی۔ عدنان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ کھل سا گیا۔ بازوؤں سے پکڑ کر اس نے نیلم کو سامنے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں بھئی سروش! یہ کون ہے؟ نیلم شرما سی گئی۔ سروش نے خوش مزاجی سے کہا۔

''آپ بتایئے نا آپ کی دلہن ہے۔''

عدنان نے شرارت سے جھک کر نیلم کا چہرہ دیکھا۔ جو وفور حجاب سے گلنار ہو رہا تھا۔ اور ہنستے ہوئے بولا۔ ''ارے واقعی یہ تو کچھ خوب صورت بھی ہو گئی ہے۔'' نیلم کا حسین چہرہ دمک اٹھا۔

سروش نے جلدی سے کہا۔ ''واہ بھلا وہ خوبصورت کس دن نہیں تھی؟''

''یہ تو ہمارا دل ہی جانتا ہے۔'' وہ مزاحیہ پن سے بولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

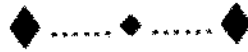
اس کے کمرے سے جاتے ہی وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑیں۔ نیلم کا دمکتا ہوا خوبصورت چہرہ شوخ رنگوں سے چمک رہا تھا۔ وہ اس کے برابر



آ کھڑی ہوئی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

''اے سروش! تیرا ونڈر بوائے، کیسا ہے؟''

سروش کے رخسار شہابی ہو گئے۔ گلابی ہونٹ کا اک گوشہ اس نے دانتوں تلے دبا لیا۔ نیلم نے اس کے رخسار پر چٹکی لی۔ سروش اس کی طرف پلٹ گئی۔ اتنی باتیں، اتنی بہت سی خوبصورت باتیں، اتنی پیاری باتیں، سہارنی محال تھیں۔ لیکن لبوں پر لانا بھی مشکل تھا۔ اس نے سر نیلم کے شانے پر رکھ دیا اور ہولے سے بولی۔ ''نیلم میں تجھے کیا بتاؤں؟''



نیلم اسی ہفتے عدنان کے ساتھ لندن چلی گئی تھی۔ سروش اس کے جانے سے تنہا سی ہو گئی۔ لیکن عامر نے شب و روز میں کچھ ایسا رنگ بھر دیا تھا کہ تنہائی کا احساس ہی مٹ گیا تھا۔ دن بڑے سہانے ہو گئے تھے۔ لمحے بہت اپنے اپنے سے تھے۔ ہر پل بڑا رنگین تھا۔ اچانک مل جانے والے تحفے کی طرح جو اپنے دامن میں کتنے ہی رنگ برنگی خوشیاں چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔

زندگی ایک دلربا خواب سا معلوم ہونے لگی تھی۔

سروش سب کچھ بھول کر اس میں کھو گئی تھی اسے گرد و پیش کا کچھ احساس نہیں تھا کہ اچانک یہ دلربا سپنا اک پل میں حقیقت کی تلخی میں بدل گی۔ سروش کو اب معلوم ہوا تھا کہ فرقت کی آگ کس طرح خرمن دل کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ وہ خود کو کسی لٹے ہوئے مسافر کی طرح تہی دامن اور تنہا پاتی تھی۔ گرد و پیش کی ساری رونقیں رخصت ہو گئی تھیں۔ پھولوں سے خوشبو، ستاروں سے چمک، چاند سے چاندنی اور دھنک سے رنگ کھوئے گئے تھے۔ اور وہ اک محرومی کی سی کیفیت میں سانس لے رہی تھی۔

عامر سے رفاقت کے سب لمحے بس ایک ہی پل معلوم ہوتے تھے۔ ایک خوبصورت لمحے کی طرح ذہن میں کہیں جاگتے تھے۔ اور اس سے آگے جدائی کی طویل اور تھکا دینے والی طویل ساعتیں تھیں جو صدیوں پر محیط تھیں۔ وہ ان اذیت ناک لمحوں کے سامنے خود کو بڑا ہی کمزور اور بے بس محسوس کرتی تھی۔ یہ ہڈیوں کو پگھلا دینے والی گھڑیاں اک امتحان معلوم ہوتی تھیں۔ وہ طرح طرح کے اندیشوں اور وسوسوں کے درمیان پس کر رہ گئی تھی۔ وہ خود سے بار بار ایک ہی سوال کرتی تھی۔

''کیا وہ عامر کو پالے گی؟''

جدائی کی ان کربناک ساعتوں میں اسے تنہا چھوڑتے ہوئے عامر نے اسے ایک بار اپنے بازوؤں میں لے کر کہا تھا۔ ''سروش اس کے بعد ہم کبھی نہیں بچھڑیں گے۔''

وہ سرشاری ہوگئی تھی۔ وہ اس ایک چھوٹے سے لمحے کے سہارے پوری زندگی بتا سکتی تھی۔ چاہت کے اس امر لمحے کو دل میں بسائے وہ جدائی کے لق ودق صحرا میں پہروں چل سکتی تھی۔ وہ ہر لمحے اس کے ساتھ تھا۔ روح کی گہرائیوں میں، دل کی وسعتوں میں وہی تو تھا۔ وہ رات کے تاریک لمحوں کو اس کی یادوں سے روشن کرتی چلی جاتی۔ اس کے گرد وپیش چراغاں سا ہو جاتا۔ وہ اس کے تصور میں کھوئی کھوئی، اس کے سپنوں کی آس میں سو جاتی۔ یہ سپنے کبھی حقیقت بن جائیں گے۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ خواب کبھی سچ ہوں گے اسے یقین نہیں تھا۔ یہ تصورات کبھی اس کے اپنے ہو جائیں گے۔ اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

اس کی مانگ ستاروں سے بھری تھی۔ رنگوں اور خوشیوں کی برسات میں وہ شرابور ہوگئی تھی۔ اس کی دھڑکنوں میں نغمے ابلنے لگے تھے۔ مسرتیں اور شادمانیاں ننھی منی پریوں کی طرح یہاں وہاں اس کے آنگن میں اترنے لگیں۔



عامر کے گھر والوں نے اسے عامر کیلئے مانگ لیا تھا۔ وہ اس کیلئے ہیرے کی خوبصورت انوٹھی لائے تھے۔ وہ بار بار اپنے دل سے سوال کرتی تھی۔ خود سے بے یقینی کے عالم میں پوچھتی تھی کہ کیا عامر اس کا ہوگیا ہے؟

تمناؤں کے دلکش روپ، امنگوں کے نرالے رنگ حجاب کی سرخی اور مسرت کی چمک نے اس کا چہرہ چاند سا روشن کر دیا تھا۔ اسے اپنا وجود اک میٹھا مدھر گیت معلوم ہوتا تھا۔ اس نے عامر کو پالیا تھا۔ وہ تنہا بیٹھ کر اس کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی۔ وہ اس کے تصورات میں کھو جانا چاہتی تھی۔ وہ خود کو یقین دلانا چاہتی تھی منگنی کی انگوٹھی کو محویت سے دیکھتے ہوئے وہ نہ جانے کیا سوچ رہی تھی کہ نازش نے آ کر اس کے کان میں کہا۔

''رضی بھیا! آئے ہیں۔''

''کون؟ کہاں......؟؟ وہ چونک گئی۔''

''لو وہ تو آ گئے ہیں رضی بھیا۔'' وہ اتنا کہہ کر بھاگ گئی۔ مہمانوں سے بھرا ہوا گھر اسے ہی تو سنبھالنا تھا۔ آج وہ بے حد مصروف تھی۔ سروش اٹھ گئی۔ یہ بھلا رضی بھیا کیوں آ گئے ہیں؟ اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ قریب آ چکے تھے۔

''ہیلو ہیلو دلہن بیگم!'' انہوں نے خوش دلی سے کہا۔ سروش جھینپ گئی۔ وہ ابھی تک منگنی کے کپڑوں میں تھی۔ اس نے شرما کر رخ پھیر لیا اور دھیمے سے بولی۔

''رضی بھیا! شرم آ رہی ہے مجھے۔''

آہا!!! تو شرمانے کا لمبا پروگرام ہے۔'' انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنی جانب گھما لیا۔ میں تو تمہیں دیکھنے آیا ہوں تم شرما رہی ہو۔''

حجاب کی شرمگیں کیفیت نے اس کے حسین چہرے کو گلنار کر دیا۔ اس کے جھکے جھکے سے دلکش چہرے پر چھوٹا سا ٹیکہ جھول رہا تھا۔

''اے لڑکی! تم تو بہت خوش ہو۔'' انہوں نے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

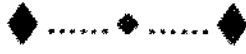
سروش نے جواب نہیں دیا۔صرف مسکرا کر رہ گئی۔انہوں نے ہولے سے کہا۔
''سروش! خدا کرے تم اسی طرح مسکراتی رہو۔''
ان کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ سروش نے پلکیں اٹھا کر ان کی جانب دیکھا اور چند لمحے تکتی رہی۔ وہ بھی اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دھیمے سے انداز میں انہوں نے بڑے لگاؤ سے کہا۔''بہت اچھی لگ رہی ہو سروش!''



مرادوں بھرے دن پر لگا کر اڑے جاتے تھے۔ وہ مطمئن سی ہو گئی تھی۔ بڑی ہی آسودہ۔ ہر شے سے بے نیاز۔اس کی محبت اسے مل گئی تھی۔ عامر اس کا ہو گیا تھا۔ اب اسے کچھ اور نہیں چاہئے تھا۔قسمت اس پر مہربان تھی۔ اپنے ستاروں بھرے آنچل کا سایہ اس پر ڈالے تھی۔اس کی راہوں میں پھول بچھائے تھی۔
وہ سمجھتی تھی کہ عامر سے منسوب ہو کر اسے کسی شے کی ضرورت نہیں ہوگی۔کوئی کمی نہیں رہے گی،کوئی فکر نہیں ہوگی۔
لیکن جب تصورات کی دنیا سے نکل کر سپنوں سے چونک کر اس نے سر اٹھایا تو کتنی ہی تلخ حقیقتیں منہ کھولے کھڑی تھیں۔
ابو پہلے سے زیادہ مصروف رہنے لگے تھے۔ امی کو دن رات یہی فکر کھائے جاتی تھی کہ اس کے جہیز کے لئے پیسہ کہاں سے آئے گا؟ گھر میں کوئی ایسی خوشحالی نہیں تھی۔ صفدر صاحب کی تنخواہ میں بمشکل گزر بسر ہوتی تھی۔ عامر کا خاندان اچھا، خوشحال اور کھاتا پیتا تھا۔ ملنے جلنے والے سروش کے ہاتھ میں ہیرے کی انگوٹھی دیکھتے تو کہتے ہیرے کی انگوٹھی لانے والے جہیز بھی ویسا ہی مانگیں گے۔ سروش پریشان ہو اٹھی۔اسے اب معلوم ہوا تھا کہ کسی کو چاہ لینا کتنا آسان ہے؟ لیکن اسے پانا کتنا مشکل ہے۔ محبت



کی لطافتوں میں کھو کر وہ ان تلخ حقیقتوں کو فراموش کر بیٹھی تھی۔ عامر کو اپنا سمجھ کر وہ سارے رشتے بھول گئی تھی۔وہ سمجھتی تھی کہ محبت کے سوا اسے کچھ نہیں چاہئے۔ لیکن اب...... اب تو عامر اپنا ہو کر بھی اپنا نہیں لگتا تھا۔
جب وہ ابو کو مصروف دیکھتی۔ امی کو پریشان دیکھتی تو خود کو مجرم سمجھنے لگتی۔ اس کیلئے اس کے چاہنے والے سکھ ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود دکھوں کی آگ میں جل رہے تھے۔ بیٹی کا محبت بھرا وجود ان کیلئے بوجھ بن گیا تھا۔تفکرات نے ان کی نیندیں اڑا دی تھیں۔



ان ہی دنوں عامر کو اپنی فرم کی طرف سے چند ماہ کے دورے پر باہر جانے کا موقع ملا۔ وہ سروش کو بھی ہمراہ لے جانا چاہتا تھا۔اس کے گھر والے چند ہفتوں میں ہی شادی کر دینے پر زور دینے لگے۔ ہر دوسرے تیسرے دن ان کا کوئی نہ کوئی پیغام آ جاتا۔صفدر صاحب کی تو جان پر بن گئی تھی۔ امی الگ پریشان تھیں۔ان کے پاس تھا ہی کیا جو بیٹی کو دہلیز سے اٹھاتے۔ بڑی دقتوں سے اس کے گھر والوں کو ٹالا گیا کہ ابھی ان کی تیاری مکمل نہیں ہے۔ وہ لوگ بھی شاید قیمتی جہیز کی آس میں تھے۔ اسی لئے تھوڑی پس و پیش کے بعد مان گئے۔
لیکن عامر کا موڈ سخت خراب ہوا تھا۔ جانے سے پہلے وہ اسے ہوٹل میں ملا تو سخت جھنجلایا ہوا تھا۔ اور اس کی ہر بات کا الٹ جواب دے رہا تھا۔ سروش جو اس کے جانے کے خیال سے افسردہ ہو رہی تھی اور دل برداشتہ ہوگئی وہ اس سے کس طرح کہہ دیتی کہ اس کے والدین کے پاس اس کے جہیز کیلئے کچھ نہیں ہے جو وہ اسے رخصت

کر دیں۔ وہ چاہتی تو تھی کہ اس معاملے پر اس سے گفتگو کرے۔ لیکن وہ جھجکتی ہی رہی۔ اسے یہ سب کچھ کہتے ہوئے عجیب سی سبکی کا احساس ہو رہا تھا۔ اسی لئے وہ اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ عامر سے یہ ملاقات بڑی ہی تشنہ رہی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس سے ملی ہی نہیں۔





اس کے دل کی باتیں دل میں رہ گئیں تھیں۔ اس سے مل کر وہ پہلے سے بھی زیادہ اداس ہوگئی تھی۔ عامر اسے اجنبی سا معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کی بے قرار محبت دل کے کسی دور دراز کے گوشے میں جا سوئی تھی۔ وہ حیران ہو کر سوچتی تھی کہ محبت تو انمول ہے' انسان تو لازوال ہے پھر اس کی قیمت کیوں لگائی جاتی ہے۔ پرخلوص جذبوں کو سونے میں کیوں تولا جاتا ہے؟ کیا اس کی اپنی شخصیت، اس کی پرخلوص چاہت، اس کی محبتوں کی کوئی وقعت نہیں۔ زندگی جن لطیف جذبوں سے عبارت ہے کیا ان کی کسی کو ضرورت نہیں۔

سروش کا جی چاہتا کہ عامر سے ایک بار پوچھ تو لیتی کہ اسے کیا چاہئے۔ لاکھوں کا جہیز؟ یا اس کی رفاقت؟ لیکن ایک عامر کے کہہ دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ راہ میں اور بھی تو کتنے لوگ تھے۔ وہ کس کس کو سمجھاتی' کس کے مقابل آتی۔ اسے خود سے نفرت ہونے لگی تھی۔ محبت پر سے اس کا اعتبار اٹھنے لگا تھا۔ محبت تو کچھ بھی نہیں تھی۔ معاشرہ' اس کی رسمیں' اس کی روایتیں ہی تو سب کچھ ہیں۔ دل میں کوئی جذبہ' کوئی امنگ نہیں رہی تھی۔

بہت سوچ سوچ کر سروش نے ایک مقامی کالج میں ملازمت کر لی۔ وہ گھر والوں کا بوجھ ہٹانا چاہتی تھی۔ وہ اس احساس جرم سے نکلنا چاہتی تھی جس نے زندگی کو روگ لگا دیا تھا۔ جس نے محبت جیسے امر جذبے کو گہنا دیا تھا۔



کالج میں اس کا دل خوب لگ گیا تھا۔ گھر میں کچھ آسودگی ہوگئی تھی۔ امی کے تفکرات بھی کچھ کم ہو گئے تھے۔ اب انہیں اطمینان ہوا تھا کہ اس کا جہیز آسانی سے تیار ہو جائے گا۔ وہ ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں لگی رہتی تھیں۔ ریزہ ریزہ کر کے جوڑتیں اور اس کے لئے ننھی منی خوشیاں خریدتی رہتیں۔

سروش کی ساتھی لیکچررز اس سے عامر کے متعلق پوچھتی تو اس کے من میں کلیاں سی چٹک اٹھتیں۔ اس کا جی چاہتا کہ کوئی عامر کی باتیں کئے جائے' اس کے بارے میں پوچھے' اس کا نام لے لے کر چھیڑے۔

زیب تو سب میں بہت شوخ تھی۔ جلد ہی اس کے ساتھ دوستی بھی ہوگئی تھی۔ وہ بڑی خوش مزاج اور بے فکری تھی۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ کسی نہ کسی شغل میں لگی رہتی' کوئی نہ کوئی ہنگامہ مچائے رکھتی۔

آج بھی اس نے صبح سے شور مچا رکھا تھا کہ صدف کی منگنی کیلئے کیا کیا تیاریاں کی جائیں گی؟ کون سا تحفہ خریدا جائے اور کیا کیا پروگرام بنائے جائیں؟ سروش نے تو صاف انکار کر دیا۔ ''بھئی مجھے تو تم معاف ہی رکھو۔ اس عجیب و غریب طلسماتی ماحول میں' میں خود کو بالکل ایڈجسٹ نہیں کر سکتی۔ وہ لوگ تو مجھے اس دنیا کے باسی معلوم ہی نہیں ہوتے۔ اس قدر امارت' اتنا مصنوعی پن جیسے جادو نگری میں چلے آئے ہوں کہ کسی شے کو چھو لیں گے تو پتھر کے بن جائیں گے۔''

زیب کو بہت غصہ آیا۔ چڑ کر بولی۔ ''یہ ساری بکواس تو صدف کے ساتھ ہی کرنا۔ وہ آج آ رہی ہے کارڈ دینے۔''

''دیکھی جائے گی۔'' سروش نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔ صدف، زیب کی گہری دوست تھی۔ اس کے ذریعے ہی سروش سے متعارف ہوئی تھی۔ بڑی ملنسار اور



اچھی لڑکی تھی۔ لیکن سروش اس کے گھر جانے سے کتراتی تھی۔ اس کی محل نما کوٹھی' تکلفات سے بھری ہوئی فضا۔ وہ یہ سب دیکھ کر اوب سی جاتی تھی۔ اپنی کم مائیگی کا احساس اپنے آپ ہی شدید ہو جاتا تھا۔ وہ اکتا سی جاتی تھی کہ اس جیسا وہاں کوئی بھی نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے وہ وہاں جانے سے کتراتی تھی۔

لیکن صدف نے آنے کا اتنا اصرار کیا کہ اسے وعدہ کرتے ہی بنی۔ اب وہ اتنے خلوص سے مدعو کر رہی تھی تو بار بار انکار کرنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسی لئے اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور زیب کے ساتھ سر جوڑ کر اسے دیئے جانے والے تحفے کے بارے میں سوچنے لگی۔

اگلی شام زیب اسے لینے کے لئے پہنچی تو اس کی سج دھج دیکھنے کے لائق تھی۔ کامدار ساڑھی کے ساتھ جڑاؤ گلوبند بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں اس نے کتنی ہی قیمتی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ میک اپ بھی شوخ اور سلیقے سے کیا ہوا تھا۔

''ارے آج صدف کے سسرال والے دھوکا ہی نہ کھا جائیں۔'' سروش نے اسے چھیڑا۔

وہ آنکھ دبا کر ہنسی اور تنقیدی نظروں سے سر سے پیر تک اس کی طرف دیکھا۔ اس نے بنارسی پٹی کی نیلی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اس کا میک اپ مدھم تھا۔ سادگی سے بندھے ہوئے جوڑے میں ایک سفید پھول لگا تھا۔

''جناب! آپ منگنی میں جا رہی ہیں اور وہ بھی اس شہر کے رئیس کی بیٹی کی۔ کچھ پتہ بھی ہے۔'' زیب نے آنکھیں نچا کر کہا۔ سروش نے کچھ جواب نہیں دیا۔ یونہی مسکرا دی اور اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی۔

صدف کا محل نما گھر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر طرف گہما گہمی اور چہل پہل

تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے رنگوں' خوشبوؤں اور روشنیوں کی دنیا آباد ہے۔ سجی بنی ملازمائیں انہیں صدف کے کمرے میں لے گئیں۔ وہ بڑے تپاک سے ملی۔ اس کی رشتہ دارلڑکیوں نے بڑی تنقیدی نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا۔ زیب تو اکثر یہاں آتی رہتی تھی اس لئے کچھ اس سے متعارف بھی تھیں۔ لیکن سروش سے وہ پہلی دفعہ ملی تھیں۔

صدف نے تعارف کرایا۔ مسکراہٹوں کے تبادلے ہوئے اور گویا جان پہچان ہوگئی۔ ان میں سے اکثر نے سروش کو پسندیدگی سے دیکھا۔ وہ نیلی ساڑھی میں بہت جچ رہی تھی۔ زیب تو ان میں گھل مل گئی۔ لیکن سروش اتنی جلدی بے تکلف نہیں ہوتی تھی۔ یہ زرق برق فضا' یہ پرتکلف ماحول اور نک سک سے درست بنے سنورے لوگ سب ہی بڑے اجنبی معلوم ہوتے تھے۔ یونہی دل میں اپنی کم مائیگی کا احساس پیدا کر دیتے تھے۔ وہ ان سب کے درمیان خاموش سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ وہ ان کے انداز' ان کے طور طریقوں' ان کی اداؤں سے مانوس نہیں تھی۔ وہ تو جیسے اجنبی دیس میں آ گئی تھی۔ وہ سب آپس میں خوش گپیاں کر رہی تھیں اور وہ چپ چاپ بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ قہقہہ لگاتیں تو وہ مسکرا دیتی۔ نہ اسے کسی نے مخاطب کیا نہ ہی وہ خود کسی سے مخاطب ہوئی۔

اچانک باہر ہلچل سی مچ گئی۔ شاید مہمان آ گئے تھے۔ کسی ملازمہ نے دروازہ کھول کر پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ اطلاع دی تو وہ سب باہر لپکیں۔ سروش کو بھی اٹھنا پڑا کہ وہ بھی لڑکیوں کے اک ریلے کے ساتھ باہر آ گئی۔ کچھ لڑکیاں تو باہر مہمانوں کے استقبال کیلئے چل دیں اور کچھ کھڑکیوں میں کھڑی ہوگئیں۔ سروش بھی چپکے سے اک کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی گلابی پھولوں والی ایک خوبصورت بیل چڑھی ہوئی تھی۔

کمخواب کے غراروں' جھلمل کرتی ساڑھیوں اور کامدانی ڈوپٹوں میں لپٹی ہوئی



عورتیں' لڑکیاں بالیاں ہنستیں' لچکتیں باتیں کرتی قہقہے بکھیرتی پھولوں کے گجرے لپیٹتی ادھر ادھر شاندار نشستوں پر بیٹھ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی سے لگی باہر دیکھتی رہی۔ اسے وہ دن یاد آ رہا تھا جب اس کے چھوٹے سے گھر میں ایسی ہی جیتی جاگتی رونق تھی۔ وہ سجی بنی بیٹھی تھی عامر کی امی اس کے پاس جھکیں اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنا رہی تھی اور عامر کی شریر بہنیں اسے چھیڑ رہی تھیں۔ اس کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ ہر طرف ایسی ہی چہل پہل تھی۔ لیکن کتنی ہی اپنی اپنی سی جو دل کی گہرائیوں میں مسرت کا احساس جگا دیتی تھی۔ وہ بظاہر کھڑکی پر کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس کی نگاہوں میں وہ حسین لمحے بسے تھے۔ جن کو چشم تصور سے جب چاہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ سنہری یادوں نے اس کے دلکش چہرے پر اک تابناک سی چمک بکھیر دی تھی۔

اچانک کسی نے اسے بازو سے پکڑتے ہوئے جھنجھلا کر کہا۔ ''عفت آپ یہاں کھڑی کیا کر رہی ہیں۔'' وہ چونک کر پلٹی اور سراسیمہ سی ہوگئی۔ اس کا مخاطب بھی خجل سا ہو کہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ ''اوہ معاف کیجئے۔''

سروش نے اک اجنبی سی نگاہ اس کے اونچے لمبے سراپے پر ڈالی اور وہاں سے ہٹ جانے کو قدم بڑھایا۔ لیکن اسے تھم جانا پڑا۔ گھبرا کر اس نے پیچھے دیکھا۔ اس کی ساڑھی کا آنچل بیل میں الجھ گیا تھا۔

وہ جو جانے کیلئے قدم بڑھا چکا تھا۔ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے ہی وہ ڈوپٹہ چھڑانے کیلئے کھڑکی کے قریب آئی وہ بھی اسی طرف بڑھا۔ سروش نے عجلت میں پلو چھڑا لینا چاہا لیکن جلدی اور گھبراہٹ میں وہ اور بھی الجھ گیا۔

''ٹھہریے...... آرام سے۔'' اس نے بھاری آواز میں شائستگی سے کہا اور جھک کر دھیمے سے اس کا پلو چھڑا دیا۔

''شکریہ!'' سروش نے میکانکی انداز میں کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی صدف کے کمرے کی طرف چل دی۔

صدف تیار ہو چکی تھی۔ خاندان بھر کی لڑکیاں اس کے گرد جمگھٹا کیے اسے باہر لے جانے کو بے قرار تھیں۔ سنہری کرن کے ہالے میں صدف کا خوبصورت چہرہ بے پناہ حسین لگ رہا تھا۔ جھومر ٹیکہ لگائے وہ کوئی شہزادی سی معلوم ہوتی تھی۔

سروش بھی اک جانب خاموشی سے بیٹھ گئی۔ ہیروں کے زیورات سے لدی پھندی عورتیں' خوبصورت لباس سرسراتیں اپنی انگلیوں میں پہنی ہوئی قیمتی پتھروں کی انگوٹھیوں کی نمائش کرتیں زمانے بھر کی باتیں کر رہی تھیں۔

صدف کو خوبصورتی سے سجے ہوئے ہال میں لے جایا گیا۔ منگنی کی رسمیں ادا ہوئیں۔ لڑکیاں دولہا دلہن کو دیکھنے کیلئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتی تھیں۔ سب کی کوشش تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تصویروں میں نظر آسکیں۔





اتنے ہجوم میں سروش پھنس کر رہ گئی۔ کوئی چہرہ بھی شناسا نہیں تھا۔ زیب کا بھی کچھ پتہ نہ تھا۔ وہ بے انتہا بوریت محسوس کر رہی تھی۔ وہ اکتا رہی تھی۔ کوئی اس کا ساتھ دینے والا نہیں تھا۔ کوئی اس کے جیسا اس کی زبان میں اس کے انداز میں بات کرنے والا نہیں تھا۔ ایک عجیب نامانوس سا ہنگامہ تھا۔ جس میں بڑی گھٹن سی محسوس کر رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد گھر واپس جانا چاہتی تھی۔ وہ اس فضا سے باہر نکل کر تازہ ہوا میں سانس لینا چاہتی تھی۔

وقت گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ ہجوم سے الگ ہوتی ہوئی وسیع ہال کی دیوار پر لگی اک تصویر دیکھنے لگی۔ جو کسی جانے پہچانے مصور کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے غور سے دستخط پڑھنے کی کوشش کی۔

''بہت پسند آئی آپ کو یہ پینٹنگ۔'' اس کے عقب سے آواز آئی۔

وہ چونک کر مڑی۔ وہ اس کے عین مقابل تھا۔ وہی جس نے اس کی ساڑھی کا پلو چھڑایا تھا۔ سروش نے خوبصورت سیاہ آنکھوں کو جھپک کر ہولے سے کہا۔

''جی ہاں۔ بہت خوبصورت ہے۔''

''آپ یہاں تنہا کیوں کھڑی ہیں؟'' اس نے استفسار کیا۔

سروش نے گرد و پیش دیکھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ ہولے سے ہنسا۔

''دیکھ لیجئے' یہاں آپ کے سوا کوئی نہیں۔''

سروش نے دور ہجوم کی طرف دیکھا جو دلہن کو جھرمٹ میں لئے تھا اور سادگی سے بولی۔ ''مجھے ہجوم پسند نہیں۔''

''کیوں۔'' اس نے شاید گفتگو کو طول دینے کیلئے پوچھا۔

سروش چپ سی ہوگئی۔ وہ بھلا اسے کیا جواب دیتی۔ وہ شاید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دور سے آتی ہوئی زیب اسے دیکھ کر اسی طرف چلی آئی۔

''بھئی تم کہاں رہ گئی تھی؟'' اس نے دور سے ہی پکار کر کہا۔

سروش قدم بڑھا کر اس کے قریب چلی گئی۔ زیب نے اسے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس لمحے گرمجوشی سے بولی۔ ''ہیلو عاصم بھائی! کیسے ہیں آپ؟''

''شکریہ!'' وہ خوش اخلاقی سے بولا۔ ''آپ کہیے کیسی ہیں؟''

کچھ دیر وہ اس سے رسمی گفتگو کرتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔

زیب نے مسکرا کر اسے ٹھوکا دیا۔ ''اے! یہ صدف کے بھائی سے کیا باتیں ہو رہی تھیں؟''

''اچھا تو یہ صدف کا بھائی ہے۔'' سروش کو اب پتہ چلا تھا۔

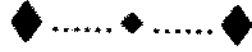
ہاں سو فیصدی۔ زیب نے شوخی سے کہا۔ ''کیسا ہے تیرے عامر سے اچھا ہے کہ نہیں۔''

سروش ٹال گئی۔

کہیں رات گئے تقریب ختم ہوئی تو زیب اسے گھر پہنچا گئی۔ گھر کی نرم گرم فضا میں اسے عجیب سی آسودگی کا احساس ہوا۔ کپڑے تبدیل کر کے جب وہ امی کے کمرے میں آئی۔ تو دیکھا خلاف معمول اتنی رات گئے۔ سب جاگ رہے ہیں۔ اس نے ایک لمحے میں محسوس کر لیا۔ کہ سب کچھ خاموش بھی ہیں۔ نازش اور راجہ سخت بیزار شکلیں بنائے بیٹھے تھے۔ وہ ابو کے پاس پلنگ پر جا بیٹھی اور متفکر سی ہو کر بولی۔



''کیوں ابو! آج تو سب لوگ جاگ رہے ہیں۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟''



کمرے میں تنہا بستر پر پڑی وہ بڑی اداس ہو رہی تھی۔ دل پر غبار سا چھایا تھا۔ چند دنوں میں ہی اس کا بھرا پُرا گھر اس کے اپنے اس سے الگ ہو گئے تھے اور وہ آنسوؤں سے نم آنکھیں لئے سوچ رہی تھی کہ زندگی میں اک ذرا سا سکھ حاصل کرنے کو کتنے دکھ جھیلنے پڑتے ہیں۔

ابو کسی محکمانہ سازش سے زیر اثر آ گئے تھے اور ان کی ٹرانسفر ایک چھوٹے سے شہر میں ہو گئی تھی۔ ان کے آرام کے خیال سے سارا گھر بھی ان کے ساتھ ہی منتقل کرنا پڑا تھا۔ لیکن سروش کو یہیں رہنا پڑا تھا۔ اور ملازمت ملنا مشکل تھا۔

ہوسٹل میں ابھی کمرہ خالی نہیں تھا۔ اسی لئے اسے زیب کے یہاں رہنا پڑا تھا۔ لیکن ان سب سے بچھڑ کر وہ بڑی ہی مغموم اور اداس ہو رہی تھی۔ دو تین مہینے میں بھی وہ خود کو عادی نہیں بنا پائی تھی۔ اسے اپنا وہ چھوٹا سا خوبصورت گھر' وہ محبت سے بھری فضا' راجہ اور جگنو کی شرارتیں۔ امی کا محبت بھرا سایہ ابو کی مشفق نگاہیں' نازش کی دوستانہ چاہت۔ بڑی شدت سے یاد آتے تھے۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پلک جھپکتے میں ان سب کے درمیان جا پہنچے جو اس کے اپنے تھے۔ جن سے اٹل رشتے اور خوبصورت محبتیں وابستہ تھیں۔ وہ لا انتہا محبتیں' وہ لافانی رشتے۔ جن کے سوتے کبھی خشک نہیں ہوتے۔ جن کے خزانے کبھی خالی نہیں ہوتے۔ جن کی گونا گوں کیفیات کو دوریاں اور فاصلے فزوں تر کر دیتے ہیں۔ دل کی گہرائیوں میں انہیں اور بھی جاگزیں کر دیتے ہیں۔

جب اداسیاں اسے چاروں جانب سے گھیر لیتیں تو وہ خود کو بہلاتی' خود کو تسلی

دیتی۔ اس کی ملازمت اس کے سارے گھر کی ضرورت تھی۔ اس کے بغیر اس کا جہیز تیار ہونا ممکن نہیں تھا۔ جہیز جو ایک دیوار بن کر عامر اور اس کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔ اسے اس دیوار کو پاٹنا تھا۔ اسے اپنے بوڑھے باپ کا بوجھ بٹانا تھا۔ اسے اپنی متفکر ماں کے تفکرات کم کرنا تھے۔

زیب کے یہاں اسے ہر طرح کا آرام تھا۔ لیکن اپنے گھر کی سی راحت تو کہیں نہیں ملتی۔ جہاں کی بے ترتیبی میں بھی اک حسن اور نکھار ہوتا ہے۔ جہاں کے ہنگاموں اور شور میں سکون وطمانیت کے خزانے ملتے ہیں۔ وہ کچھ تنہائی پسند سی ہو گئی تھی۔ پہروں اپنے کمرے میں تنہا لیٹی چھت کو گھورتی رہتی۔ تنہائی کے ان لمحوں میں عامر کا تصور اسے مسرور سا کر دیتا اور وہ مسکرا مسکرا کر آنے والے وقت میں جھانکتی رہتی۔

زندگی میں اک ٹھہراؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ معمول میں یکسانیت تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وقت پر اک جمود سا طاری ہو گیا ہے۔ عامر کے کورس کے چھ مہینے جیسے چھ صدیاں معلوم ہوتی تھیں۔ اک اک دن رک رک کے گذرتا تھا۔ بڑا ہی بے رنگ اور سروش خاصی بور ہو گئی تھی کہ اچانک رضی بھیا کی شادی طے ہو جانے کی خبر ملی۔ اسے بے حد خوشی ہوئی اک عرصے بعد کسی خاندانی تقریب میں سب کے مل بیٹھنے کا موقع آ رہا تھا۔ اس نے ہفتے بھر کی چھٹی لی۔ اور خوشی خوشی وہاں جا پہنچی۔ اک عرصے کی خاموشی اور بوریت کے بعد اس ہنگامے میں بڑا لطف آ رہا تھا۔ سب لڑکیاں مل کر دن بھر اودھم مچائے رکھتیں۔ الٹے سیدھے گانے گائے جاتے۔ ڈھولک بجتی' شرارتیں ہوتیں۔ رضی بھیا سے چھیڑ چھاڑ کی جاتی۔ وہ راجہ اور دوسرے لڑکوں کی مدد حاصل کرتے اور ان کی شوخیوں کے جواب میں خوب ہنگامہ بپا کرتے۔ یہاں تک کہ وہ سب زچ ہو جاتیں اور کسی نئی سازش کا پروگرام بنانے لگتیں۔



جس روز ان کی بارات جانی تھی اس دن تو اک حشر بپا تھا۔ بھاگ دوڑ دھکم پیل مچی تھی۔ سب کو اپنی اپنی پڑی تھی کسی کو کپڑے نہیں مل رہے تھے، تو کسی کا سینڈل غائب تھا، کسی کے لباس سے ہم رنگ لپ اسٹک کھو گئی تھی، تو کسی کی نیل پالش کسی دوسرے کے لباس پر دھبے چھوڑ گئی تھی۔

سروش سب سے پہلے تیار ہو گئی۔ اس نے گہرا براؤن سوٹ اور چاندی کے بڑے بڑے بالے پہنے تھے۔ سیدھی سادھی چوٹی میں لمبی سیدھی مانگ نکالے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر تو وہ دوسری لڑکیوں کو تیار ہونے میں مدد دیتی رہی پھر چپکے سے اکیلی باہر نکل آئی۔

رضی بھیا اپنے کمرے میں تھے۔ قمیص کے کالر اٹھائے ٹائی کی گرہ لگا رہے تھے۔ انہوں نے آہٹ پر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے۔

''آؤ' آؤ سروش!''

سروش نے ہنس کر کہا۔ ''ہیلو رضی بھیا کیسے مزاج ہیں؟''

وہ ٹائی کی گرہ لگائے بغیر ہی گھوم کر اس کے سامنے آ گئے ان کے چہرے پر چھائی ہوئی غیر معمولی سنجیدگی سے سروش کچھ سٹپٹا سی گئی اور پلکیں جھپکا کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ ان کا پسندیدہ رنگ پہنے تھی۔ چاندی کے بالے اس کے رخساروں سے چھو رہے تھے۔ اس کی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں ہلکا سا ہراس تھا وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہے وہ کچھ ٹپٹا کر یونہی ہنس پڑی۔ انہوں نے گوٹے لچکے سے سجے اس کے شانوں سے پھسلتے آنچل کو اٹھا کر اس کی گردن کے گرد بل دیتے ہوئے اس کے جھینپے ہوئے گلابی چہرے کی طرف دیکھا اور ہولے سے بولے ''سروش تم خوش ہو بہت۔''

وہ ان کے ہاتھوں سے اپنا آنچل چھڑاتی ہوئی بولی۔ ''کیوں رضی بھیا مجھے خوش نہیں ہونا چاہئے۔''

"ہونا تو چاہئے لیکن اتنا بھی نہیں۔"

انہوں نے انگلی سے اس کا رخسار چھوا۔

"یہ خوبصورت سا ڈمپل تمہارے گالوں سے مٹے ہی ناں۔"

سروش نے محجوب ہو کر ہونٹ کاٹ لیا اور بات بدلنے کو بولی۔ "رضی بھیا! آپ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔"

"لو اور سنو۔" وہ ہنسے۔ "میں ابھی پورا احمق بنا ہی کب ہوں جو تم نے مجھے نظر لگانی شروع کر دی ہے۔"

"خیر آپ اتنے اچھے بھی نہیں لگ رہے کہ نظر ہی لگ جائے۔" وہ بھی ہنسی۔

"اچھا۔" انہوں نے مصنوعی حیرت سے کہا اور پھر قدرے جھک کر رازداری سے بولے۔ "اور تم ان چاندی کے بالوں کے ساتھ اتنی اچھی لگ رہی ہو کہ نظر لگانے کو جی چاہتا ہے۔"

سروش کچھ لجا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی اور پشت کے پیچھے چھپایا ہوا پیکٹ ان کے سامنے کر دیا۔

"یہ لیجئے۔" وہ بولی۔

پتہ نہیں کیوں رضی بھیا ایک دم سے کچھ بیزار سے ہو گئے ان کا جی چاہا کہ اس کو جھڑک دیں، اسے ڈانٹ دیں، اسے اپنے سامنے سے ہٹ جانے کو کہیں۔

"یہ کیا ہے؟"

وہ کوشش کے باوجود لہجے کو نرم نہ بنا سکے۔

"واہ رضی بھیا!" اس نے مصنوعی سراسیمگی طاری کرتے ہوئے آنکھیں پھیلائیں۔"

ایک تو آپ کو تحفہ دیا اوپر سے ڈانٹ بھی رہے ہیں۔"



وہ بے دلی سے مسکرائے اور پیکٹ پکڑنے کے بجائے انہوں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور کچھ روٹھے روٹھے سے بولے۔ "تمہیں یہ تحفہ ضرور دینا ہے مجھے۔"

"کیوں نہ دوں؟" اس نے شوخی سے پوچھا۔

"دل تو چاہتا ہے تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں کمینی۔"

بلاوجہ آ جانے والے غصے کو دبانے کیلئے وہ دانت پیس کر بڑبڑائے۔ جسے سروش نہیں سن سکی اور مستفسرانہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔ انہوں نے پیکٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ مسکراتی ہوئی پلٹ گئی۔ رضی بھیا ہونٹ دانتوں تلے دبائے کچھ دیر پیکٹ پکڑے ہوئے نا جانے کیا سوچتے رہے۔ پھر کھولے بغیر اسے میز پر ڈال دیا۔



رضی بھیا کی شادی کے ہنگاموں سے لوٹی تو کالج کی وہی لگی بندھی زندگی اور خشک معمولات اور بھی بے مزا معلوم ہوئے وہ گرد و پیش سے بیزار۔ اچاٹ دل لئے سب کے ساتھ گزرے ہوئے خوشگوار لمحوں کے درمیان سانس لیتی رہی۔

اس طرح بدمزا اور بیزار ہونے کی وجہ اک اور بھی تھی۔ عامر نے لکھ بھیجا تھا کہ اسے اک اور کورس کیلئے وہاں چھ مہینے رکنا پڑے گا۔ اس نے اپنے خط میں اسے خوب ہی بے نقط سنائیں تھیں۔ وہ بھی اس کے بغیر بے حد اداس اور بے مزا تھا۔ سروش بے حد اداس ہوئی اس نے کیسے کیسے سپنے نہیں دیکھے تھے۔ کس کس طرح اسے یاد نہیں کیا تھا۔ لیکن جب اسے ملنے کے دن قریب آ رہے تھے تو اس نے مفارقتوں کا پیام بھیج دیا تھا۔ اسے انتظار کے لاانتہا کرب میں پھر مبتلا کر دیا تھا۔

امی یہ سن کر مطمئن ہو گئی تھیں کہ انہیں اور وقت مل گیا تھا۔ اب انہیں یقین تھا

کہ عامر کے گھر والوں کے مطالبات پورے کئے جاسکیں گے جو وہ بالواسطہ اور بلاواسطہ پیش کرتے رہتے تھے۔ انہیں اطمینان ہوگیا تھا کہ ان کے شایان شان جہیز تیار ہو سکے گا۔

سروش افسردگی سے سوچتی کہ دو دلوں کے ملنے کو ان رسموں اور رواجوں نے کتنا دشوار بنا دیا ہے۔ وہ مغموم سی بستر پر اوندھی پڑی نا جانے کن سوچوں میں الجھی تھی کہ زیب نے آن کر اسے گھسیٹ کر اٹھایا۔

''اٹھنا ہے کہ نہیں تمہیں۔'' وہ چلائی۔

''کیا مصیبت ہے بھئی؟'' سروش سخت بیزار ہوئی۔ بکواس نہ کرو اور تیار ہوجاؤ۔ جناب صدف سے تو تم نے بھی وعدہ ہی کیا تھا نا کوئی قسم تھوڑی کھائی تھی۔''
سروش نے منہ بنایا۔ ''چھوڑو کوئی بہانہ کردیں گے۔''





''کیا بک بک لگا رکھی ہے۔ اتنی زبردست دعوت ہے طرح طرح کے لوگ ہوں گے بڑا مزا آئے گا۔'' زیب نے چٹخارا لے کر کہا۔

''میرا نہیں وہاں دل لگتا۔'' سروش نے بے دلی سے کہا۔

''تمہیں کون کہتا ہے وہاں دل لگاؤ۔'' زیب نے شرارت سے آنکھ ماری۔

''بک مت۔'' سروش نے اس کا منہ چڑایا اور غسل خانے میں گھس گئی۔

اس عالیشان محل میں تو وہ قدم رکھتے ہوئے بھی ہچکچاتی تھی۔ خصوصاً اس قسم کی تقریبات میں تو وہ اور بھی بیزار ہوتی۔ زیب تو وہاں لوگوں میں گھل مل جاتی۔ لیکن وہ کسی سے اتنی بے تکلف نہیں تھی۔ صدف بھی مہمانوں کی وجہ سے اتنی توجہ نہیں دے پاتی تھی۔ اسی لئے اسے تقریبات میں جانا اچھا نہیں لگتا تھا۔

یہاں ہر طرف شان شوکت' نمائش اور چکا چوند سی نظر آتی تھی۔ چہل پہل' چمک دمک' گہما گہمی اور غیر مانوس خوشبو۔ اسے بوکھلا دیتے۔ یوں معلوم ہوتا جیسے یہاں موجود ہر چہرے سے مسکراہٹ چپک کر رہ گئی ہے۔ وہ غیرارادی طور پر ہی ان سے اپنا موازنہ کرنے لگتی تھی۔ اپنی کم مائیگی کا احساس سوا ہوا جاتا تھا۔ وہ ہنستے کھیلتے اچھلتے ہوئے نغموں سے معمور ماحول میں بڑی ہی دل شکستہ اور رنجور ہوجاتی۔

صدف بھی اس کے پاس سے کب کی اٹھ کر جا چکی تھی۔ زیب کا کچھ پتہ نہیں

تھا۔ سبھی اس ماحول میں مدغم ہو چکے تھے۔ مسکراہٹوں کے ترنم ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ قہقہوں کے چھناکے سنائی دیتے تھے۔ سروش اکتا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دیواروں پر لگی تصویروں کو دیکھتی ہوئی وہ ہال کے پچھلے دروازے کی طرف آ گئی اور شیشے میں سے باہر دیکھا۔ دور تک سبز روشیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے آہستگی سے کواڑ دھکیلے اور بغیر کچھ سوچے باہر آ گئی اسے یوں معلوم ہوا جیسے کسی قفس سے باہر نکل آئی ہو۔

سبز روشوں پر کھلے ہوئے خوش رنگ پھول' سورج کی شفق آلود کرنوں میں اپنے اصلی رنگوں سے مختلف اور چمکیلے نظر آ رہے تھے۔ ہلکی ہلکی خوشبو سے بوجھل خنک ہوا اسے چھوتی ہوئی گزری تو وہ تر و تازہ ہو گئی۔ وہ آہستہ خرامی سے سبز روش پر اتر آئی اور فطرت کے بے پناہ حسن کو نگاہ میں سمیٹنے لگی۔

معطر ہوا میں گہرے گہرے سانس لیتی وہ کتنی ہی دیر یونہی ٹہلتی رہی۔ مختلف روشوں اور قطعات میں گھومتی رہی۔ تازگی' خوبصورتی' خوشبو اور آسودگی کی اتنی بے بہا دولت پا کر وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا اور خوشبو کی طرح معطر محسوس کر رہی تھی۔ چند لمحے ستانے کو وہ بارہ دری کی منقش سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔ یہاں بیٹھے ہوئے اس شاندار گھر کا پچھلا حصہ نظر آتا تھا۔ دور تک پھیلے ہوئے باغات کا سلسلہ' آہستہ روی سے بہتا ہوا پانی' قل قل بولتا ہوا موتی برساتا فوارہ' یہ سبھی کچھ اک سہانے خواب کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔

شفق کی سرخی اس کے رخساروں میں اتر آئی تھی۔ ڈوبتے سورج کی زرد کرنوں سے اس کی خوبصورت آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اسی وقت اسے احساس ہوا کہ یہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔ فضا میں قیمتی تمباکو کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ اس نے کچھ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اسے کچھ دور صدف کا بھائی عاصم کھڑا تھا نہ جانے وہ کب یہاں



آیا تھا۔ اسے کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔ اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''نہیں نہیں بیٹھیۓ بیٹھیۓ آپ اس طرح بیٹھی ہوئی بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ کاش ہمارے پاس کیمرہ ہوتا۔''

سروش نے قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ بے ضرر تھی۔ وہ بہت کچھ صدف سے مشابہہ تھا۔ اور خاصا شاندار انسان تھا۔ اسے اپنی جانب دیکھتے ہوئے دیکھ کر بولا ''اپنا مکمل تعارف تو کروایئے۔ مجھے تو آپ کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے کہ آپ صدف کی دوست ہیں۔''

''کیا اتنا کافی نہیں ہے؟'' سروش نے پوچھا۔

''جی نہیں۔'' وہ بے تکلفی سے بولا۔ ''یہ تو کافی نہیں کم از کم تعارف کے ابتدائی مراسم تو طے ہو جانے چاہئیں۔''

''یعنی۔'' سروش نے بے نیازی سے کہا۔

''یعنی۔ ہمیں اک دوسرے کا نام تو معلوم ہونا چاہئے تاکہ مخاطب کرنے کے آداب پورے ہو جائیں۔'' اس کا انداز اتنا مہذب تھا کہ سروش کو ناگوار نہیں ہوا۔ وہ ذرا سا خم ہو کر بولا۔ ''مجھے عاصم کہتے ہیں۔''

''میرا نام سروش صفدر ہے۔'' اس نے پھولوں سے جھکی ہوئی کیاریوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''خوبصورت نام ہے۔'' وہ بولا لیکن سروش نے توجہ نہیں دی۔ وہ بھی کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر گھمبیر سی آواز میں بولا۔ ''آپ یہاں تنہا کیوں بیٹھی ہیں۔''

سروش نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''آپ یہاں تنہا کیا کر رہے ہیں۔'' اس کے سوالات سے بچنے کو اس نے اسی کا سوال لوٹا دیا۔

وہ محظوظ ہوا۔ ’’اچھا سوال ہے۔ لیکن پہلے میں نے پوچھا ہے اس لئے پہلے آپ ہی جواب دیں گی۔‘‘

سروش نے صاف گوئی سے کہا۔ ’’سچی بات تو یہ ہے کہ میں نہ تو اس قسم کے ماحول کی عادی ہوں نہ مجھے ایسی تقریبات میں جانے کی عادت ہے۔ بس صدف کے اصرار پر آنا پڑا۔ وہاں میرا دل نہیں لگ رہا تھا اس لئے یہاں آ گئی۔‘‘

’’ہم اس ماحول کے عادی تو ہیں۔ لیکن جلد اکتا جاتے ہیں۔ سوچا ذرا کھلی فضا میں چل کر اک سگریٹ پی لیا جائے۔‘‘ اس نے ازخود وضاحت کی۔

’’جی ہاں۔ یہ جگہ بہت خوبصورت ہے۔‘‘ سروش نے سادگی سے کہا۔

’’آپ کو پسند آئی ہے تو ضرور ہوگی۔‘‘ وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔ ’’ویسے عنایت ہے آپ کی۔ سروش پھر خاموش ہوگئی۔ کہنے کیلئے کوئی بات تو تھی نہیں نہ ہی کوئی ایسا موضوع تھا جسے چھیڑا جاسکتا۔ شاید وہ کچھ دیر تک انتظار کرتا رہا کہ وہ کوئی بات کرے گی لیکن وہ خاموش ہی رہی تو اس نے مخاطب کیا۔

’’آپ بہت سنجیدہ ہیں۔‘‘ اس نے کہا تو سروش گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور جیسے اپنے آپ سے بولی۔ ’’اب چلنا چاہئے۔ صدف کو تو علم بھی نہیں کہ میں یہاں ہوں۔‘‘

’’آپ کو بتا کر آنا چاہئے تھا‘ وہ آپ کیلئے پریشان ہوں گی۔‘‘ عاصم نے کہا۔

میں کوئی ایسی اہم ہستی تو ہوں نہیں جس کی کمی کا احساس فوراً ہو جائے۔ شاید صدف کو پتہ بھی نہیں ہوگا؟ اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

’’آپ خود تو اپنے بارے میں رائے قائم نہیں کرسکتیں۔ اس کا اندازہ تو دوسرے لگا سکتے ہیں۔ وہ اپنے سے لہجے میں بولا۔



’’انسان اپنے متعلق زیادہ بہتر رائے قائم کرسکتا ہے۔‘‘

پھر تو اس کا دھیان خامیوں ہی کی طرف رہتا ہے۔ اسے خوبیوں کا احساس نہیں ہوتا۔‘‘

’’خامیوں پر نگاہ رکھنے والے خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔‘‘ سروش نے قطعی لہجے میں کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

پارٹی سے آ کر دونوں قالین پر ہی الٹی سیدھی لیٹ رہیں اور پارٹی میں شریک لوگوں‘ ان کے ملبوسات اور دوسری باتوں پر تبصرہ کرنے لگیں۔ زیب نے مرعوب ہو کر کہا۔ ’’خیر پارٹی تھی بڑی شاندار۔ شہر کے اچھے سے اچھے لوگ وہاں موجود تھے۔‘‘

سروش نے اثبات میں سر ہلایا اور بازوؤں پر چہرہ رکھ لیا۔ وہ بہت تھک گئی تھی۔ کچھ دیر خاموش رہنا چاہتی تھی لیکن زیب کا تبصرہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ وہ باتیں کرنے کے موڈ میں تھی۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تو زیب نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور گھسیٹا۔ اسے کان سے لگایا اور سروش کی طرف بڑھا کر بولی۔ ’’لو سنو۔ تمہارا فون ہے۔‘‘

’’میرا فون؟‘‘ سروش نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ریسیور کان سے لگایا اپنا نام بتایا۔ دوسری جانب رضی بھیا تھے وہ ہنس ہنس کر ان کی خیریت دریافت کرنے لگی۔ آج بہت دنوں بعد ان کی آواز سنی تھی تو بہت اچھا لگ رہا تھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ زور سے چلائی۔ ’’کیا کہہ رہے ہیں رضی بھیا۔ نہیں۔ نہیں۔‘‘ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

زیب گھبرا کر اٹھی اور اس کے قریب آئی۔ ’’کیا ہوا سروش۔ کیا ہوا۔‘‘ اس

نے پریشانی سے پوچھا۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ لیکن رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس نے پھر سروش کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔"

"سروش۔ سروش۔" کچھ بتاؤ تو صحیح۔ کیا بات ہے۔ زیب نے کئی بار اس کے گال تھپتھپائے تو اس نے یوں خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ جیسے پہچان نہ پائی ہو اور وحشت زدہ آنکھیں جھپکاتے ہوئے جیسے خود سے بولی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابو۔ وہ بات مکمل نہ کر سکی۔ زیب سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ اس نے پریشان ہو کر اسے اپنے شانے سے لگایا۔

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔" وہ خود کو اس سے الگ کرنے لگی۔ زیب نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اس کے ٹھنڈے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی تھی وہ اسی گرفت میں جھول رہی تھی۔"

ابو کے بغیر گھر بڑا سونا اور اجاڑ ہو گیا تھا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سوچنے سمجھنے کی سب صلاحیتیں سلب ہو گئی ہیں۔ دل میں اک خوف سے بیٹھ گیا تھا۔ کسی انجانے حادثے کی سنسناہٹ کانوں میں گونجتی تھی گھر کی وہ جیتی جاگتی خوشیوں سے لبریز' زندگی سے معمور فضا آسیب زدہ سی معلوم ہونے لگی تھی۔ سب کے چہرے یوں ستے ہوئے تھے جیسے زندگی کی ساری نشانیاں اس اندوہناک حادثے نے چھین لی ہوں۔ سناٹے' خاموشی اور وحشت کا ہجوم چار سو نظر آتا تھا۔ سانس لیتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا۔ اونچی آواز میں بولنے سے دل ہولتا تھا۔ سب اپنے آپ کو یوں غیر محفوظ خیال کرنے لگے تھے۔ جیسے در و دیوار انہیں ابھی پیس کر رکھ دیں گے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کڑی دھوپ میں بے سایہ کھڑے ہیں۔





کمرے میں سامان بے ترتیبی میں پڑا تھا' سلوٹوں سے بھرے ہوئے بستر پر وہ اوندھی پڑی تھی۔ دنیا کتنی بے ثبات ہے' بے حقیقت' فریب کی مانند۔ وہ دکھے ہوئے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ ابو کے بچھڑ جانے نے اس کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ زندگی ایسی بے رنگ' پھیکی' ناگوار اور ناقابل برداشت ہو گئی تھی کہ اپنے ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ لینے کو جی چاہتا تھا۔

وہ حال ہی میں ہاسٹل منتقل ہوئی تھی۔ زیب اسے سمجھا سمجھا کر ہار گئی تھی۔ ابھی اس کی ذہنی حالت اس قابل نہیں ہے کہ وہ تنہا رہے لیکن اسے تو اک ضد سی ہو گئی تھی۔ وہ خود ترسی کی سی کیفیت میں مبتلا تھی۔ وہ اذیت پسند ہو گئی تھی۔ وہ ہر وقت کڑھتی رہتی تھی۔ غموں کو ٹٹولتی اور خون جگر پیتی تھی۔ کالج سے آ کر اوندھے منہ پلنگ پر لیٹی رہتی۔ دوپہر سے شام ہو جاتی اور شام سے رات وہ اٹھ کر بتی بھی نہیں جلاتی۔ اکثر کھانا کھائے بغیر ہی سو جاتی۔ اس کی طبیعت گری گری سے رہنے لگی تھی ہر وقت کڑھنے سے بڑی تلخ ہو گئی تھی۔ وہ یوں مضمحل اور زرد ہو گئی تھی جیسے بیمار ہو۔ وہ اسی غم میں گھل گھل کر مر جانا چاہتی تھی۔

ابھی کالج سے آئی تھی اور کھانا کھائے بغیر ہی بستر میں دراز ہو گئی تھی۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ جسم ٹوٹ رہا تھا۔ طبیعت بہت نڈھال ہو رہی تھی۔ اس نے میز پر پڑے ہوئے خط اٹھائے اور دیکھنے لگی۔ ایک خط عامر کا بھی تھا۔ جسے دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ابو کے انتقال کے بعد یہ اس کا پہلا خط تھا۔ وہ خط کو کھولے بغیر کتنی ہی دیر ہاتھ میں لے کر دیکھتی رہی۔ اسے تحفظ کا گرما دینے والا احساس ہوا۔ اسے

ڈھارس سی ہوگئی۔ اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کا بھی سہارا ہے۔ دنیا میں وہ تنہا نہیں ہے۔کوئی اس کا ساتھ دینے والا ہے۔اس کے غموں کو ہلکا کردینے والا۔اس کی افسردگی کو زائل کردینے والا۔

اس نے سب سے پہلے عامر کا خط ہی کھولا اور ایک ہی نظر میں عجلت میں لکھا ہوا وہ مختصر خط کئی بار پڑھ گئی۔

ڈیئر سروش!

''میں بہانے بنا بنا کر عاجز آ گیا ہوں۔ سوچتا ہوں تمہیں حقیقت سے آگاہ ہی کردوں۔ میں نے اپنی ایک کلاس فیلو سے شادی کرلی ہے اور یہیں رہنے کا ارادہ ہے۔شاید تم اسے محسوس کرو۔لیکن میری مجبوری سمجھ کر۔کچھ خیال نہ کرنا۔''

عامر!





وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔اس میں جینے کی آرزو ماند پڑ رہی تھی۔اسے حالات سے مقابلہ کرنے کیلئے بڑی دقت سے خود کو سنبھالنا پڑتا تھا۔عامر کی بے وفائی پر اس نے ایک آنسو بھی نہیں بہایا تھا۔سب کچھ جھیل گئی تھی۔اپنے ضبط کا امتحان لیتے لیتے نڈھال ہوگئی تھی۔

ابھی کالج سے آئی تھی۔یونہی آرام کرسی پر بیٹھی نا جانے کیا سوچ رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔اس نے بیٹھے بیٹھے ہی بیزاری سے دروازے کی طرف دیکھا۔ کسل مندی سے بولی۔''دروازہ کھلا ہے۔''

کواڑ کھلے اور رضی بھیا کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ ٹھٹک کر دروازے میں ہی کھڑے ہوگئے تھے اور اسی طرف دیکھتے ہوئے فکرمندی سے بولے۔''سروش۔کیا ہوا ہے تمہیں کتنی زرد ہو رہی ہو؟ بیمار رہی ہو کیا؟''

''نہیں تو رضی بھیا! میں ٹھیک ہوں۔''اس نے بے نیازی سے سر جھٹک کر خود پر قابو پایا۔رضی بھیا کو دیکھ کر خوشی سی ہوئی تھی۔لیکن رونے کو بھی دل چاہ رہا تھا۔

وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے مقابل ہی بیٹھ گئے ان کا انداز کچھ اوپرا اوپرا سا تھا۔وہ بار بار اسی جانب دیکھ رہے تھے۔سروش نے یونہی بات کرنے کو پوچھا۔

''توصیف بھابی کیسی ہیں؟انہیں ساتھ نہیں لائے۔''

''نہیں۔ میں خاص طور پر تم سے ملنے آیا ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے

بولے۔

''زہے نصیب!'' سروش نے شگفتگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ سنجیدہ ہی رہے۔ مسکرائے تک نہیں۔ ان کے چہرے پر دکھ کا گہرا سایہ تھا وہ کچھ سوچ رہے تھے یوں جیسے کچھ کہنے کیلئے لفظ تلاش کررہے ہوں۔

''کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں آپ۔ رضی بھیا ٹھہریئے۔ میں چائے بنا لاؤں آپ کیلئے۔ پھر آرام سے بات کرتے ہیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''نہیں۔ نہیں۔ رہنے دو۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو پکڑ لیا اور ہولے سے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر بولے۔ سروش! سروش۔ تم عامر کے متعلق کوئی بات۔ میرا مطلب ہے۔'' وہ اٹکے۔

''میرا مطلب ہے تم اس کے متعلق کوئی ناگوار بات سن سکتی ہو۔''

سروش کا چہرہ ایک دم اتر گیا۔ لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا۔ آنسو اس کی آنکھوں میں بے تابی سے مچلے لیکن وہ پی گئی اور بے جان سی مسکراہٹ سے بولی۔ ''ہاں ہاں رضی بھیا! کیوں نہیں اس کی شادی سے متعلق ہیں نا؟''

وہ بھونچکے سے رہ گئے۔ قدرے برہمی سے انہوں نے سر جھٹکا۔ وہ سمجھے شاید سروش مذاق کررہی ہے۔ اسی لئے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے۔ ''دیکھو سروش! میں قطعی سنجیدہ ہوں۔''

''اور میں بھی۔''

''تمہیں معلوم ہے سب کچھ۔'' انہوں نے دکھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

سروش نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے ہونٹوں پر اک ساختہ مسکراہٹ تھی جس کا خفیف سا اثر بھی اس کے چہرے پہ کسی نقش پر نہیں تھا۔ اور شاید آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں وہ بار بار پلکیں جھپک رہی تھی۔



''تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''اس نے خود ہی لکھا ہے۔''

وہ بظاہر لاپرواہی سے بولی۔ لیکن لہجے کی شکستگی چھپی نہیں تھی۔ رضی بھیا نے بڑے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا بظاہر وہ بڑی پرسکون نظر آتی تھی۔ لیکن آنکھوں میں کچھ کھودینے کا ملال سا جھلکتا تھا۔ انہیں بے حد دکھ ہوا۔

''جی چاہتا ہے شوٹ کردوں اس الو کے پٹھے کو۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔

''جانے بھی دیں رضی بھیا کیوں اس بے چارے کو کوس رہے ہیں۔'' وہ اس کا ذکر نہیں سننا چاہتی تھی۔

''بے چارا۔'' انہوں نے چڑ کر کہا۔ ''تف ہے تو مشرقی لڑکیوں پر۔ عجیب محبت ہے تمہاری۔ اونہہ۔ اس کو کچھ مت کہیں۔'' انہوں نے اس قدر غصے سے کہا کہ سروش بے ساختہ ہنس پڑی۔

''پگلی ہو تم تو۔'' انہوں نے رنجیدہ ہو کر کہا۔ ''یہ اچھا نہیں ہوا۔ تمہاری پوزیشن پر اثر پڑے گا سروش۔''

''ایسے ہی پوزیشن پر کیا اثر پڑتا ہے۔ سارے ہی لڑکے باہر جا کر شادیاں کرلیتے ہیں یہ کوئی نئی بات ہے کیا۔''

''پھر بھی سروش اچھی بات نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے بہت فکر مند ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھے۔

''اچھا ہی ہوا رضی بھیا! وہ خود ہی الگ ہو گیا۔ اب تو میری ذمہ داریاں اور ہیں۔ میں سارے گھر کو اس کے لئے چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی شاید اتنا انتظار نہ کر سکتا۔ رضی بھیا ابو کے بعد ساری ذمہ داری تو مجھ پر ہے۔'' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے جھلملا گئیں تھیں۔

''ارے سروش!'' انہوں نے بڑے لگاؤ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔'' تم بہت بڑی ہوگئی ہو۔اتنی بڑی بڑی باتیں سوچنے لگی ہو۔لیکن دیکھو خود کو تنہا نہ سمجھنا۔'' وہ اسے سمجھانے لگے۔ وہ ہونٹ چباتی ہوئی خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ وہ اسے تسلی دینے لگے۔اس کی ڈھارس بندھانے لگے۔اسے دنیا میں جینے' اس کے بے رحم فیصلوں کو گوارا بنانے' اس کے غموں کو ہنس کر جھیل لینے کا حوصلہ پیدا کرتے رہے۔ان کی باتیں دل میں سے ہو کر گزر رہی تھیں۔ ان کا ہر لفظ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔

انہوں نے کمرے میں ادھر ادھر نگاہ ڈالی اور ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کو شگفتہ سے لہجے میں بولے۔''اف''! کتنی پھوہڑ ہو تم سروش کی بچی! ذرا اپنا کمرہ تو دیکھو نالائق کس قدر بے ترتیب ہو رہا ہے۔''

''عنایت ہے آپ کی۔'' وہ بے دلی سے مسکرائی۔

''کب تک یہاں رہنے کا ارادہ ہے۔اس کباڑ خانے میں۔'' انہوں نے پوچھا۔

''بس سوچ رہی ہوں کہ کوئی گھر مل جائے تو امی اور سب کو یہیں بلا لوں۔ میں ان کے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہوں۔'' اس کی آواز رندھ سی گئی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اب تمہیں ہوسٹل میں نہیں رہنا چاہئے۔ اچھا میں اپنے کسی دوست سے کہہ دوں گا۔تمہارے لئے کوئی گھر دیکھ لے۔''

''سچ مچ۔ یہ تو بڑا احسان کریں گے آپ۔''

''اچھا کان تو نہیں کھنچوانے۔احسان کی بچی!'' انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

''ہائے اللہ! نہیں۔'' وہ ہنس کر اٹھ گئی۔'' رضی بھیا چائے بنا لوں۔''

''ابھی تک میں نے بھی نہیں پی۔''



''ارے نہیں رہنے دو۔'' انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنے مقابل کھڑا کیا۔'' کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے لڑکی!'' انہوں نے اس کی ناک مروڑی۔'' اپنے کپڑے دیکھو یہ بکھرے ہوئے بال۔شاید منہ بھی کئی روز سے نہیں دھویا ہیں نا۔''

سروش نے ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے تاثرات سے عاری چہرہ ایک جانب جھکا کر کہا۔'' کیا میں بہت بری لگ رہی ہوں رضی بھیا!؟''

وہ بڑے لگاؤ سے اس کی جانب تکتے رہے۔''سروش تم مجھے کبھی بھی بری نہیں لگ سکتی ہو؟'' انہوں نے اتنی سچائی سے کہا۔ کہ سروش ایک لمحے کو ان کے بازو سے لگ گئی۔کبھی کے رکے آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے تھے۔انہوں نے اس کے گھنے سیاہ بال سہلائے۔'' ہے لڑکی چلو جلدی سے ڈھنگ کے کپڑے پہنو' بال وال سمیٹو تو تمہیں گھما لائیں۔



رضی بھیا کی کوششوں سے اسے اچھا گھر کرائے پر مل گیا تھا۔اتنے عرصے بعد اپنے گھر میں سب کے ساتھ اسے ابو بھی ٹوٹ کر یاد آئے۔ یونہی لگتا تھا۔ جیسے وہ کہیں گئے ہوئے ہیں۔ابھی آجائیں گے۔

صبح صبح وہ دروازے پر سے اخبار اٹھاتی۔تو ایک نظر ڈال کر چل پڑتی کہ ابو کو پڑھنا ہوگا۔کھانا لگاتی تو ان کی پلیٹ بھی رکھ دیتی۔آہستگی سے دروازہ کھلتا تو اسے انہی کی آہٹ محسوس ہوتی۔وہ حیرت سے ان کی چیزوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھتی تھی۔

گھر میں اب وہ پہلی سی رونق نہیں رہی تھی۔ سب چپ چاپ اپنے معاملات میں لگے رہتے تھے۔ وہ بھی کام کاج سے آکر خاموشی سے بستر پر لیٹ رہتی۔ یا امی سے باتیں کرتی۔ ان کا ہاتھ بٹاتی۔خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتی۔اس نے ابھی

تک عامر کے خط کا تذکرہ گھر میں نہیں کیا تھا۔ وہ امی کو اور دکھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ انہیں ابھی پتہ نہ چلے۔ وہ یہ بات کسی مناسب وقت پر ان کے علم میں لانا چاہتی تھی۔ رضی بھیا کو نا معلوم کیسے پتہ چلا تھا ورنہ دوسرے رشتے داروں میں ابھی بات عام نہیں ہوئی تھی مگر اک شام وہ اگلے دن کیلئے لیکچر تیار کر رہی تھی۔ نازش بھی قریب ہی بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی۔ ساتھ کے کمرے میں راجہ امی کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اچانک اس نے بلند آواز میں کہا۔ ''امی! یہ عامر الو کا پٹھا۔ میرے ہاتھ سے ہی شوٹ ہوگا۔''

سروش نے گھبرا کر نازش کی دیکھا۔ اور پنسل ہونٹوں میں دبائے بڑے غور سے سن رہی تھی۔ امی کی دبی دبی سی آواز سنائی دی۔ ''آہستہ بول لڑکے۔ تیری بہن سنے گی تو اسے رنج ہوگا۔ تقدیر پر کس کا زور ہے۔ جو مقدر دکھائے سہنا پڑتا ہے۔''

راجہ خاموش نہیں ہوا اور نجانے کیا کچھ کہتا رہا۔ نازش نے سراسیمہ سی ہو کر پھر سروش کی طرف دیکھا اس کی اس نگاہ میں کتنے ہی سوال تھے؟ ''آپی! یہ راجہ بھائی کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ عامر نے شادی کر لی ہے۔'' سروش نے بظاہر بے نیازی سے کہا۔ لیکن اس کے لفظوں میں شکست کی آواز تھی۔

نازش ہونٹ کاٹ کر آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''آپی! ہم کیا کریں؟ ابو بھی تو نہیں ہیں۔''

سروش نے جو بڑی کوشش سے ضبط کئے تھی ابو کے ذکر پر اس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے چھلکنے لگیں۔ اس نے عجلت میں آنکھیں خشک کیں اور پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی بھئی اب تو ہم سب کو مل کر کام کرنا ہے۔ ابو جو کچھ چاہتے تھے جو خواب ہمارے دیکھتے تھے۔ انہیں پورا کرنا ہے۔ بڑی کوشش سے شگفتہ بنائے گئے لہجے میں اس کی



مرجھائی ہوئی خوشیوں کا عکس تھا۔ نازش کو اس کی آنسوؤں سے خالی آنکھوں اور ساختہ ہنسی سے پھیلتے ہوئے لبوں پر حسرت سی برستی نظر آئی۔ وہ سر جھٹک کر روتی ہوئی بولی۔

''آپی! آپی! کچھ مت کہو۔ کچھ مت کہو۔''

سروش اس کے قریب چلی آئی اور رندھے ہوئے گلے سے کہنے لگی۔ ''نازش دیکھو تو روئے گی تو میں بھی روؤں گی۔''

نازش نے ایک بار زخمی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اور اس کے آنچل سے اپنے آنسو پونچھتی ہوئی بولی نہیں۔ نہیں۔ آپی۔ میں نہیں روتی۔ میں نہیں روتی۔



گھر کی ضرورتیں بڑی مشکل سے پوری ہو رہی تھیں۔ ایک سروش کی تنخواہ میں اتنے لوگوں کا گزارا خاصا دشوار تھا۔ ابو کے فنڈ وغیرہ کچھ تو ان کی آخری رسومات پر اٹھ گئے تھے۔ کچھ گھر وغیرہ تبدیل کرنے پر۔ اب تو گھر کا دارومدار صرف سروش پر ہی تھا۔

امی کبھی حسرت سے ٹھنڈا سانس بھر کر کہتیں! ہمیں کیا علم تھا۔ کہ کبھی اتنے مجبور ہو جائیں گے۔ کہ بیٹی کی کمائی پر نظریں لگی رہیں گی۔ ہائے میری بچی۔ وہ کلیجہ تھام کر کہتی۔ ''تیرا دل دکھانے والوں کو اک پل قرار نہ ملے۔''

سروش اک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سوچتی۔ کہ اس ممتا کی ماری ماں کا قرار میں کہاں سے لاؤں؟ جو میرے دل کی دھڑکنوں کو میرے چہرے سے پڑھ لیتی ہے۔ جسے میرے من کے دکھ۔ میرے ماتھے پر لکھے نظر آتے ہیں۔ جو میری محرومیوں کو میری ناکام آرزوؤں کو۔ میری تشنہ تمناؤں کو میری آنکھوں میں دیکھ لیتی ہے۔

وہ عامر کے انکار سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ اسے خود سے نفرت سی محسوس

ہونے لگی تھی۔ اسے اپنا آپ بڑا کم مایا محسوس ہوتا تھا۔ عامر اور اس کا بندھن زبردستی کا بندھن تو نہیں تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو چاہا تھا۔ زندگی کا ساتھی چنا تھا۔ ایک دوسرے کو دل میں بسایا تھا۔ لیکن کیا وہ سب فریب تھا؟ کیا وہ محض ایک خوبصورت دھوکہ تھا؟ کیا اس جذبے میں صداقت نہیں تھی جو وہ اتنی آسانی سے دوسرے رنگ میں ڈھل گیا۔ اگر اس کا یہ تعلق بزرگوں نے طے کیا ہوا ہوتا۔ خود اس کی اپنی محبت' اس کے اپنے دعوے' اس کا اپنا اعتماد اس میں شامل نہ ہوتا بڑی آسانی سے' بڑی سہولت سے بغیر ٹوٹے' بغیر بکھرے۔ اس جذباتی دھچکے کو برداشت کر جاتی۔ لیکن یہ تو اس کی محبت کی ہار تھی۔ اس کے جذبے کی توہین تھی۔ اس کی چاہتوں کی نارسائی تھی۔ وہ ایسی ہی بے معنی سوچوں میں الجھی چائے پی رہی تھی۔ کہ زیب آ گئی۔

وہ اکثر شام کو اس کے ہاں آ جاتی تھی۔ اسے کہیں نہ کہیں گھمانے لے جاتی تھی۔ وہ اس کی بہت اچھی دوست تھی۔





اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ اس کے ساتھ باہر نکلی تو اس نے گاڑی صدف کے گھر کی طرف موڑ دی۔ سروش کو خیال آیا کہ وہ بہت دنوں سے اس کو نہیں ملی تھی۔ حالانکہ وہ ایک آدھ دفعہ اس کے یہاں آئی بھی تھی۔ ابو کے انتقال پر اس کی ڈھارس بندھاتی رہی تھی۔ اس لئے آج اسے دیکھا تو بہت اچھا لگا۔ اس نے گرمجوشی سے اسے گلے لگایا۔ اور روٹھی روٹھی سی بولی۔ ''سروش کتنی بے مروت ہیں آپ کبھی ملنے کو جی نہیں چاہتا۔''

سروش خوش دلی سے مسکرائی۔ ''چاہتا ہے تو آ گئی ہوں نا؟''

''جی نہیں۔'' زیب نے دخل دیا۔ ''آپ کو تو میں لائی ہوں۔''

''ہوں۔'' صدف نے سر ہلایا۔ ''تو یہ بات تھی۔''

''نہیں یہ بات نہیں۔'' وہ بات ہے۔'' سروش نے مزاحیہ پن سے کہا تو دونوں ہنس پڑیں۔

دلچسپ باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ زیب کے پاس تو ویسے بھی گفتگو کیلئے موضوعات کی کمی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اس بار ایک خاص جذبہ تھا کہ اس کا رومانس اک انگلینڈ ریٹرن کزن سے زوروں پر تھا۔ سروش نے اسے چھیڑا بھئی ان سے یہ تو معلوم کر لینا تھا کہ موصوف کی زندگی میں اب تک کتنی میمیں آ چکی ہیں۔

ہاں بھئی۔ انگلینڈ ریٹرن ہیں کوئی نہ کوئی کارنامہ تو کر کے آئے ہوں گے۔

صدف نے لقمہ دیا۔

''جی نہیں وہ فرماتے ہیں کہ انہیں میموں سے پرہیز ہے۔'' زیب نے پکا سا منہ بنا کر کہا۔ تو صدف کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ سروش بھی محظوظ ہوئی۔

ملازمہ چائے لے آئی۔ اور صدف کو بتایا کہ اس کے کوئی رشتے دار آئے ہیں۔ وہ کچھ دیر کیلئے ان سے مل آئے۔ صدف معذرت کرتی ہوئی اٹھ گئی۔ زیب نے ملازمہ کو بھی چلتا کیا اور خود چائے بنانے لگی۔

سروش اٹھ کر مینٹل پیس تک گئی۔ جس پر صدف کی بڑی سی رنگین تصویر رکھی تھی۔ سروش نے تصویر اٹھا کر زیب کو دکھائی۔ اچھی ہے نا۔''

''ہاں۔'' اس نے ہنکارا ابھرا۔ ''آؤ چائے پیو۔'' اس نے پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

سروش نے پیالی لے لی۔ اور صدف کے کمرے کی پرتکلف سجاوٹ دیکھ کر بولی۔ ان کا گھر بہت خوبصورت ہے۔ خاصا اچھا ذوق ہے ان کا۔''

''ارے ان کا کیا ہے۔ بے تحاشا پیسہ ہو تو ذوق اچھا ہو ہی جاتا ہے۔'' زیب نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''نہیں بھئی۔'' سروش نے تردید کی۔ ''نفاست اک اور چیز ہے۔ زیب پھر کوئی شگوفہ چھوڑنے والی تھی کہ صدف کمرے میں آئی۔ ''چلئے جناب! راحت انکل بہت بے قرار ہو رہے ہیں ملنے کو۔ آپ کے ڈیڈی کیلئے شاید کوئی پیغام بھی دینا ہے انہیں۔''

''ارے راحت انکل!'' زیب اچھل پڑی اور آدھی پیالی چائے ٹرالی میں رکھتی ہوئی بولی۔ ''کیا مزے کے آدمی ہیں' سروش! آؤ چلو تم بھی۔''

''لو میں بھلا کیا کروں گی جا کر۔'' سروش نے اطمینان سے کہا۔ ''تم لوگ



جاؤ۔ میں تب تک صدف کا البم دیکھتی ہوں۔''

''اوہو' ارے آدم بے زار' یونہی بور ہو گی۔'' زیب نے کہا۔ صدف نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ لیکن سروش نے اٹھ کر شیلف میں سے صدف کا البم اٹھا لیا۔

صدف اس کے قریب آ کر بولی۔ ''اچھا سروش' بس تھوڑی دیر کی بات ہے' انہیں ابھی جانا ہے۔ اس لئے۔''

''نہیں کوئی بات نہیں۔'' سروش نے نرمی سے کہا' اور اس کا البم دیکھنے لگی۔

زیادہ تر صدف کے سکول اور کالج کے زمانے کی تصاویر تھیں۔ کچھ تصاویر خاندانی تقریبات کی تھیں۔ البتہ پہلے صفحے پر عاصم کی بڑی سی تصویر لگی تھی۔ سروش کئی بار البم دیکھ چکی تھی۔ لیکن وہ دونوں ابھی تک نہیں لوٹیں تھیں۔ حالانکہ صدف چند منٹ کا کہہ کر گئی تھی۔ سروش کو معلوم تھا کہ زیب نے حسب عادت لمبی چوڑی گفتگو چھیڑ دی ہو گی۔ وہ بور ہو کر کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی۔ یہاں سے باغ کا کچھ حصہ نظر آتا تھا۔ خوش رنگ پھولوں سے ڈھکی کیاریاں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی میں کھڑی دور کیاریوں پر منڈلاتی ہوئی تتلیوں کو دیکھتی رہی۔

اچانک سامنے کا پھولدار ریشمی پردہ ہٹا کر کسی نے بلند آواز میں کہا۔

''صدف! چابیاں نہیں مل رہی ہیں۔''

سروش نے گھوم کر نگاہ اٹھائی۔ عاصم خوشگوار سی حیرت کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ''اوہ آپ ہیں۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور اندر چلا آیا۔ سروش کچھ جھجک گئی۔ وہ بڑی بے تکلفی سے پوچھنے لگا کہ صدف کہاں ہے؟

''کوئی مہمان آئے تھے ان سے ملنے گئیں ہیں۔'' سروش نے میکانکی انداز میں اطلاع دی۔

''چلئے ان کے آنے تک آپ ہمیں سے باتیں کیجئے۔'' وہ کھڑکی کے قریب

چلا آیا۔

سروش نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔ ''میں اتنی باتونی نہیں ہوں۔''

''تو پھر آپ کتنی باتونی ہیں؟'' وہ کھل کر مسکرایا۔

سروش خاموش ہی رہی تو وہ پھر بولا۔ ''ہاں بتایئے کتنی باتونی ہیں آپ۔''

سروش اسے نظرانداز کر کے وہاں سے ہٹ گئی۔ وہ کھڑکی میں جھک گیا۔ اک لمحے بعد پلٹا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سا پھول تھا۔ جو اس نے کھڑکی کے ساتھ لگے ہوئے پودوں میں سے ابھی ابھی توڑا تھا۔ اس نے بڑی خوبصورت نظروں سے سروش کی طرف دیکھا اور پھول اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ آپ کیلئے ہے۔''

سروش نے دیکھا کہ وہ سرخ گلاب ہے۔ وہ غیرارادی طور پر اک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اسے اپنی بھیگی ہوئی ہتھیلیوں پہ رکھا وہ سرخ گلاب یاد آ گیا۔ جو عامر نے بڑے پیار سے رکھا تھا۔

''آپ تو ڈر رہی ہیں۔ پھول ہی ہے' کچھ اور نہیں۔'' وہ خوش دلی سے مسکرایا۔ سروش نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ پھر بولا۔ ''لے لیجئے نا۔'' پھول تھامے ہوئے اس کا ہاتھ اور نزدیک آ گیا۔

سروش کانپ گئی۔ یہ عاصم اسے پھول کیوں دے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں کیا کہہ رہی تھیں اس کی مسکراہٹ اتنا تابناک کیوں تھی۔ وہ الجھ سی گئی۔ لیکن وہ اس بات کو اپنے غیر معمولی رویئے سے انوکھی اور اہم نہیں بنانا چاہتی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے پھول اس سے لے لیا۔ عاصم نے ایک لمحے کو اس کا ہاتھ تھاما اور میٹھے سے لہجے میں بولا۔

''نوازش۔''

سروش ہاتھ چھڑا کر پلٹ گئی۔ تو وہ بولا ''ایک پیالی چائے تو پلوایئے۔'' لیکن وہ ٹرالی کی طرف نہیں گئی اور نپے تلے قدم رکھتے مینٹل پیس تک چلی گئی اور پھول صدف



کی تصویر کے پاس رکھ دیا۔

عاصم دو ہی قدموں میں اس کے قریب آ گیا اور ہولے سے بولا۔ ''سروش یہ پھول آپ کیلئے ہے۔''

مجھے معلوم ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

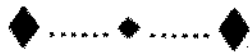
''معلوم ہے۔'' اس نے سر کو حیرت سے جنبش دی۔ ''اپنے پاس رکھ لیجئے نا۔''

''جی نہیں۔ یہ مرجھا جائے گا۔'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا اور وہاں سے ہٹ کر ٹرالی تک آ گئی اور اس کیلئے چائے بنانے لگی۔

وہ ابھی تک مینٹل پیس کے قریب کھڑا پھول کو دیکھ رہا تھا۔ یوں جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔ سروش نے پیالی اٹھا کر اسے مخاطب کیا۔ ''چائے لیجئے۔''

وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اچانک بولا۔

''جی نہیں شکریہ!'' اور کمرے سے نکل گیا۔



سروش میں نے بھی ایک ٹیوشن لے لی ہے۔ راجہ نے کہا۔ جو ابھی ابھی کالج سے آیا تھا اور باورچی خانے میں اس کے قریب ہی بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

سروش نے تیوری چڑھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''آرام سے پڑھائی کرو' تم ان چکروں میں نہ پڑو۔

راجہ نے جواباً ہوں ہاں ہی کی۔ یوں جیسے ٹال رہا ہو۔ سروش نے نوالہ منہ تک لے جاتے ہوئے روک لیا۔ ''راجہ تیرا جیب خرچ کم ہے یا کوئی اور ضرورت ہے۔''

راجہ نے پانی کا گلاس فوراً منہ سے ہٹا لیا۔ ''میں اس گھر کا سب سے بڑا لڑکا ہوں۔ میری بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں اللہ مجھے نظر بد سے بچائے۔''

"صورت دیکھی ہے اپنی۔ نالائق نہ ہو تو' ابھی تیری پڑھائی میں حرج ہوگا۔"

"پلیز گستاخی وغیرہ نہ کریں۔" وہ بولا۔

سروش کو ہنسی آ گئی۔ "آپ بھی ذرا اس گھر کے باوا بننا چھوڑ دیں۔"

وہ کچھ نہیں بولا اور خاموشی سے کھانا کھاتا رہا پھر سر اٹھا کر بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔ "سروش۔ میں بالکل برداشت نہیں کر سکتا کہ ہمارے لئے تم اپنی زندگی برباد کرو۔"

"بکومت۔" سروش نے برا سا منہ بنا کر اس کی طرف دیکھا۔ "اپنے گھر میں' اپنے لوگوں میں بھی کہیں زندگی برباد ہوا کرتی ہے۔"

"نہیں۔" تم مجھے یہ بتاؤ۔ تم نے رضی بھیا کے دوست کیلئے انکار کیوں کیا ہے۔ اچھا خاصا معقول آدمی تھا وہ۔"

"تمہاری طرح۔ ہیں نا۔" اس نے مذاق میں ٹالنا چاہا۔ "میں سنجیدہ ہوں۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"اس عمر میں آپ پر سنجیدگی اچھی نہیں۔" سروش نے اس پر منہ چڑایا اور اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔

"تم میری بات کو مذاق میں نہ ٹالا کرو۔" وہ خفگی سے بولا۔ "تم بھی کبھی کوئی عقل کی بات کر لیا کرو۔" وہ ہاتھ دھوتے ہوئے بولی۔ اور پانی کا چھینٹا اس پر اچھال دیا۔

پانی کی پھوار سے راجہ کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ وہ منہ صاف کرتا ہوا بیسن کے قریب آ گیا۔ سروش۔ اتنی بات ذہن میں رکھو کہ میں ذرا بی اے کر لوں۔ "پھر تمہاری ایک نہیں سنی جائے گی۔"

"خیر ابھی تم اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ ان باتوں میں دخل دو۔ سمجھے۔"



سروش نے پیار سے کہا۔ "دیکھو اطمینان سے پڑھائی کرو۔ تمہاری فرسٹ کلاس پوزیشن آنی چاہئے۔"

وہ ہنسا نہیں اور بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "بہرحال یہ ٹیوشن تو میں لے چکا ہوں۔ اب سب کچھ تم پر ہی تو فرض نہیں۔" سروش خفگی سے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ وہ کچن سے باہر نکل گیا۔"

سروش برتن سمیٹ کر اندر آئی تو دیکھا نازش بیٹھی ہوئی پڑھ رہی ہے۔ اس سے یونہی دو ایک ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں اور وہ کچھ دیر آرام کرنے کو بستر پر دراز ہوگئی۔ اسے خاموش اور تنہا دیکھ کر ان گنت پریشان کن سوچیں اس کی جانب بڑھنے لگیں۔

ان دو ڈیڑھ سالوں میں اس کی چھوٹی سی دنیا تہہ و بالا ہوگئی تھی۔ وہ پہلا سا خوش و خرم ماحول خراب ہو کر رہ گیا تھا۔ اب وہ سنجیدہ سی ذمہ دار لڑکی تھی جسے سیکڑوں مسائل گھیرے تھے۔ وہ خوشحالی اور بے فکری کا زمانہ نہ جانے کدھر نکل گیا تھا۔ عامر کا تو اب خیال بھی نہیں آتا تھا۔ غم روزگار میں اس طرح الجھ گئی تھی کہ محبتوں کے وہ زمانے دل کی وہ دیوانگی' خواب و خیال ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی دل میں اک انجانی سی کسک کا احساس ہوتا تھا۔ کاش عامر نے انکار نہ کیا ہوتا تو اس کی محبت کا مان رہ جاتا۔ اس کی انا کا بھرم قائم رہتا۔ وہ زندگی بھر اس کا نام لے کر جیتی۔ اپنی حیات کے سارے خوبصورت لمحے اس کی یاد سے فروزاں کر لیتی۔ لیکن اب کیا باقی رہا تھا۔ کوئی آرزو تھی نہ کوئی ولولہ نہ کوئی خواہش تھی نہ تمنا۔ دل میں کوئی پھول نہیں کھلتا۔ آنکھوں میں کوئی خواب نہیں بستا تھا جیسے اس نے کبھی اسے چاہا ہی نہیں تھا۔

اسی شام رضی بھیا بھی آ گئے۔ وہ اپنے ڈاکٹر دوست کی سفارش بن کر آئے تھے جس کی طرف سے سروش کیلئے پیغام آیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اس کا دماغ ٹھکانے

لگانے آئے ہیں اور انہوں نے آتے ہی اس کے ساتھ بڑی زوردار بحث شروع کر دی تھی۔

سروش جب انہیں کسی طرح قائل نہ کر سکی تو سوچ میں پڑ گئی پھر سر اٹھا کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''رضی بھیا۔ اگر میں شادی کر لیتی ہوں تو اس گھر کا کیا ہوگا؟''

رضی بھیا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور متاثر کر دینے والے لہجے میں بولے۔

''سروش۔ کیا ہم لوگ تمہارے کچھ نہیں لگتے بتاؤ۔ تم ہمیں اپنا نہیں سمجھتیں۔؟''

سروش ان کے اپنایت بھرے لہجے سے متاثر ہوئی وہ اس کا ہاتھ تھامے تھے۔ تو اسے ڈھارس ہو گئی تھی۔ وہ خود کو پہلے سے زیادہ محفوظ اور مضبوط محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی ان کے ہاتھ پر رکھ دیا اور متفکر لہجے میں بولی۔ ''رضی بھیا۔ کیا یہ باتیں بھی کہنے کی ہوتی ہیں۔ رضی بھیا کیا آپ نہیں سمجھتے کہ میں آپ کی وجہ سے خود کو محفوظ خیال کرتی ہوں۔ آپ کے ہونے سے مجھے کتنی ڈھارس ہے کتنی تقویت ہے؟''





رضی بھیا بڑے لگاؤ سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اس کا اک اک لفظ ان کی آنکھوں میں چمک رہا تھا۔ انہوں نے محبت سے اس کا رخسار تھپتھپایا۔

''سروش!'' تم نے مجھے لاجواب کر دیا ہے۔''

صدف نے اپنی شادی پر اتنے اصرار سے بلایا تھا کہ وہ کوئی بہانہ بھی نہیں بنا سکتی تھی۔ وہ اس کے یہاں جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ عاصم کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی ذات میں اس کی دلچسپی کو پہچان گئی تھی۔ وہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسے یہیں پر روک دینا چاہتی تھی۔ یہ ذومعنی نگاہیں، یہ معنی خیز انداز، یہ پرمعانی لہجہ۔ سب اس کے لیے بے معنی تھے۔ اب وہ کسی پر اعتبار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اب وہ محبت جیسے مٹا دینے والے جذبے کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ وہ اپنے جذبوں کی تحقیر گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ عامر کے سامنے اقرار کر لینے پر اب تک پچھتاتی تھی۔ وہ اسے دل میں جگہ دے کر پشیمان ہوئی تھی۔ وہ اسے من میں بسا کر اپنا مان توڑ بیٹھی تھی۔ اگر اس نے عامر کو نہ چاہا ہوتا اور وہ منگنی توڑ دیتا تو اسے دکھ تو ہوتا۔ لیکن وہ یوں اپنی ہی نگاہوں میں حقیر نہ ہو جاتی۔ عامر نے کسی اور کا باندھا ہوا بندھن نہیں توڑا تھا۔ اس نے تو چاہت کی ریشمی ڈور کو توڑ دیا تھا۔ محبت کے پھولوں کو قدموں تلے روند ڈالا تھا۔

اس لمحے کا پچھاوا سروش کی جان کے ساتھ ساتھ تھا وہ بار بار سوچتی کہ کاش اس نے عامر کو نہ چاہا ہوتا تو آج یوں پشیماں بھی نہ ہوتی۔ کاش عامر اس بات سے بے

خبر ہوتا کہ وہ بھی اسے چاہتی ہے۔ اسے دل میں بسائے بیٹھی ہے تو وہ یوں ٹوٹ پھوٹ نہ جاتی۔ خود کو اتنا سبک نہ سمجھتی۔ وہ اپنا سامنا تو کر سکتی۔ وہ خود سے نگاہ تو ملا سکتی۔ وہ بار بار اس اذیت سے نہیں گزرنا چاہتی تھی وہ پھر گھائل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ وہ اب کسی کمزور لمحے سے ہارنا نہیں چاہتی تھی۔

لیکن صدف کی شادی میں تو اسے جانا ہی تھا۔ وہ یونہی بے دلی سے تیار ہوئی۔ سادگی سے بال بنائے اور کوئی زیور نہیں پہنا۔ لیکن تیز گلابی سوٹ اور کامدانی دوپٹے میں وہ بڑی کھلی کھلی سی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی سادگی میں اک حسن تھا۔ اس کے وجود پر چھائی ہوئی افسردگی متوجہ کرتی تھی۔ اس کا اداس چہرہ گہما گہمی اور چہل پہل میں انجانا سا لگتا تھا۔

شادی کے ہنگاموں کے درمیان بیٹھی ہوئی وہ بے حد بور ہو رہی تھی۔ اس کی شخصیت اتنی دلچسپ نہیں تھی کہ کوئی اس کا ساتھ دیتا۔ اس کی طرف متوجہ ہوتا۔ صدف دلہن بن رہی تھی۔ زیب دوسری لڑکیوں میں گھل مل گئی تھی۔ اور سروش اتنے ہجوم اور رونق میں پھر تنہا رہ گئی تھی۔ یوں جیسے سناٹے کے بھنور میں گھر گئی ہوئی۔

اس کی اُلجھی ہوئی سوچوں نے اسے بیکل کر دیا تھا۔ یہ کیسی سوچیں تھیں جو اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھیں۔ یہ کیسے تصورات تھے جو ہر لحظہ اس پر یلغار کیے دیتے تھے۔ یہ کیسی یادیں تھیں جو بھلائے نہیں بھولتی تھیں۔

گھونگٹ میں سے جھلکتا ہوا صدف کا گلاب سا چہرہ دیکھ کر وہ لمحہ بار بار اس کی نگاہوں میں جھلکتا تھا۔ جس نے اسے دلہن کے روپ میں دیکھا تھا۔

اس نے سر جھٹک کر پراگندہ خیالات سے پیچھا چھڑانا چاہا اور وداع کے گیت سننے لگی۔ صدف رخصت ہو رہی تھی۔ لڑکیاں ہر طرف سے ہجوم کیے دیتی تھیں۔ فوٹوگرافر اپنا کیمرہ سنبھالتا یہاں وہاں لڑھکتا پھر رہا تھا۔ بڑی بوڑھیاں اداسی سے آنکھیں خشک



کر رہی تھیں۔ سب لوگ صدف اور اس کے دولہا کے ساتھ چلتے ہوئے ہال سے باہر نکل گئے۔ اور وہ ایک جانب اداس سی کھڑی رہ گئی۔

وہ تو وداع کے اس انجانے لمحے کو ترستی رہ گئی تھی۔ یہ مسکراتا ہوا مغموم سا لمحہ کچھ کچھ کھو دینے اور بہت کچھ پا لینے کا لمحہ ایک نئی اور رنگین زندگی کے آغاز کا لمحہ ہمیشہ کیلئے اس کی زندگی سے دور ہو گیا تھا۔ اس نے بابل کا آنگن چھوڑ کر شرمیلے قدموں کے ساتھ اس کے ہمراہ ایک نئی زندگی کے آغاز کی تمنا کی تھی۔



''آپ کیا سوچ رہی ہیں؟'' کسی نے اسے مخاطب کیا۔ تو وہ چونک گئی۔ اس نے کھوئی ہوئی سی نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ سینے پر بازو لپیٹے عاصم قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ جھجک سی گئی۔ اس کی سیاہ آنکھوں سے محرومیاں سی جھانک رہی تھیں۔ اس کے کامدانی دوپٹے کا آنچل فرش سے چھو رہا تھا۔

وہ بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہولے سے اس کا زمین سے چھوتا ہوا گلابی آنچل تھام کر اس کے بازو پر ڈال دیا۔ وہ سمٹ کر پیچھے ہٹ گئی۔

''صدف کی رخصتی نے آپ کو بہت اداس کر دیا'' وہ بولا۔

سروش نے بے دلی سے سوچا کہ میں کس سے کیا کہوں کہ مجھے کس نے اداس کر دیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''صدق میری بہت پیاری بہن تھی، اس کے چلے جانے سے یہ گھر بڑا ویران ہو جائے گا۔''

سروش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس موقع پر کیا کہنا چاہیے۔ یونہی کچھ سوچ کر بولی۔ ''یہ لمحہ بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ اتنی وابستگیاں چھوڑنا پڑتی ہیں۔''

''لیکن اتنی وابستگیاں چھوڑ کر جو رفاقت حاصل ہوتی ہے ہ اس کی تلافی

کر دیتی ہے۔'' عاصم نے بڑی خوبصورت نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر قدرے تلخی سے بولی۔ ''یہ ضروری تو نہیں بعض اوقات تو یہ رفاقت جان کا آزار بن جاتی ہے اور لڑکی بے چاری دوسروں کے قول نبھاتی رہتی ہے۔'' وہ جان بوجھ کر اس کے خوبصورت خیالات برہم کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے تلخ پہلو کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''آپ تو مجھے ویمن لبریشن فرنٹ کی نمائندہ معلوم ہو رہی ہیں۔'' وہ بولا

''ہر لڑکی اس کا نمائندہ بننا چاہتی ہے یہ اور بات کہ مجبوریاں اسے باندھ لیں۔'' سروش نے اسے اُلجھایا وہ گفتگو میں خشکی اور رکھائی برقرار رکھنا چاہتی تھی تاکہ ماحول کچھ کہہ دینے، کچھ سمجھانے کیلئے سازگار نہ ہو جائے۔

''آپ اس موضوع پر بڑی اچھی بحث کر سکتی ہیں۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔ ''یہ ہمارے یہاں تعلیم یافتہ خواتین کا محبوب موضوع ہے۔''

سروش نے اس کی شوخ نگاہوں کو اپنے چہرے پر محسوس کیا اور اسی لمحے میں بولی۔ ''اور ہمارے یہاں تعلیم یافتہ مردوں کا محبوب مشغلہ خواتین کے مسائل سمجھے بغیر ان کا مذاق اڑانا ہے۔''

وہ ہنس پڑا۔ ''میرا خیال تھا کہ آپ یہاں استحصال کا غلط استعمال کریں گی۔ وہ زیادہ موزوں تھا اور مقبول بھی۔''

سروش اس کے مذاق اڑانے پر کچھ چڑ سی گئی۔ تلخی سے بولی۔ ''آپ اور سارے مرد یہی سمجھتے ہیں کہ عورت کو کچھ بھی نہیں کہنا چاہیے۔''

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ خواتین کو تو بہت کچھ کہنا چاہیے۔'' عاصم نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر ہولے سے کہا۔ ''ہم تو منتظر ہیں کہ خواتین کبھی تو کچھ کہیں۔'' اس کی مسکراہٹ بڑی بلیغ تھی۔



سروش! نظر انداز کر گئی۔ اور یونہی گھڑی دیکھ کر بولی۔ ''مجھے بہت دیر ہو گئی ہے۔''

''چلیئے آپ کو گھر پہنچا دیں۔'' وہ ذرا سا خم ہوا۔

''جی نہیں شکریہ!'' سروش نے عجلت میں جواب دیا۔ ''مجھے زیب ڈراپ کرے گی۔''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا اور وہ آگے بڑھ آئی۔ لیکن زیب نہ جانے کہاں رہ گئی تھی۔ نہ ہی چکا چوند روشنیوں اور گاڑیوں کے ہجوم میں اس کی گاڑی کہیں نظر آتی تھی۔ سروش بے حد پریشان ہوئی۔ وہ اتنی رات گئے تنہا ٹیکسی میں نہیں جا سکتی تھی۔ اسے کھڑے کھڑے کافی دیر ہو گئی تھی۔ دوسرے مہمان گاڑیوں میں بیٹھ بیٹھ کر جا رہے تھے۔ اور وہ وہاں اکیلی کھڑی خود کو بہت کم مایہ سا محسوس کر رہی تھی کہ پھر کوئی اس کے مقابل آن رُکا۔ سروش نے چونک کر دیکھا۔ عاصم مسکرایا۔

''زیب صاحبہ! جا چکی ہیں۔ میں نے ان کو یقین دلایا تھا کہ آپ کو دوسری گاڑی میں بھجوا دیا گیا ہے۔''

سروش ہکا بکا رہ گئی۔ ''مگر کیوں؟''

''آپ چلیئے میرے ساتھ۔ میں اس ''کیوں'' کی وضاحت کر دیتا ہوں۔'' وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

سروش زچ سی ہو گئی۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''سروش! یقین کیجئے۔ کوئی ایسا مطلب نہیں ہے۔ جو آپ کو ناگوار گزرے۔'' وہ ملائمت سے کہنے لگا۔ ''تو پھر؟''

''تو پھر یہ کہ کچھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ جو ہجوم اور افراتفری میں نہیں کہی جاتیں۔ انہیں کہنے اور سمجھنے کیلئے سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔'' اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

◆......◆......◆

سروش نے گومگو کی کیفیت میں اُلجھ کر اس کی طرف دیکھا۔

''آئیے۔'' اس نے پورے آداب کے ساتھ گاڑی کی طرف اشارہ کیا اور بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سروش کچھ سوچتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''نوازش!'' وہ دوسری جانب سے بیٹھتے ہوئے بولا۔

سروش ان سنی کر کے شیشے سے باہر دیکھتی رہی۔ اس نے گاڑی گیٹ سے باہر نکالی۔ کچھ دیر خاموشی سے چلاتا رہا۔ سروش بھی چپ بیٹھی رہی۔ گاڑی میں تیرتی ہوئی خاموشی نہ جانے کیا کہتی رہی۔ پھر عاصم نے اسے مخاطب کیا۔ ''سروش! میں نے کوشش کی تھی کہ آپ کو نظرانداز کر سکوں۔ آپ نے جو پھول مرجھانے کی بات کی تھی۔ اسے تسلیم کرلوں۔ لیکن ایسا ممکن نہیں ہوسکا۔ میرا دل بار بار کہتا ہے کہ آپ سے پوچھوں تو سہی۔ کہ آپ نے وہ پھول قبول کیوں نہیں کیا تھا۔ پھول مرجھا جائیں تو بھی۔ ان کی خوشبو نہیں مرجھاتی۔ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ دل کی دنیا میں، روح کی گہرائیوں میں۔'' وہ پُرتاثیر لہجے میں کہتا رہا اور سروش کے دل کی دھڑکنوں میں اس کے لفظوں کی گونج سنائی دیتی رہی۔

اس نے پریشانی سے سر جھٹکا۔ وہ کیوں اس کی زندگی میں ہلچل سی مچا رہا تھا۔ جس باب کو وہ ہمیشہ کیلئے ختم کرچکی تھی۔ وہ اس کو کھولنا چاہتا تھا۔ وہ دل میں ننھی منی سی کلیوں کی مانند چٹکتی ہوئی تمناؤں کو نظرانداز کر کے یوں بیٹھی رہی۔ جیسے اس سے بالکل



لاتعلق ہو۔

''سروش! میری بات کا جواب دیجئے۔'' وہ گھمبیر سے لہجے میں بولا۔

''میں آپ کی بات کا جواب۔'' بات اس کے منہ میں ہی رہی۔ کہ اچانک سامنے آجانے والی موٹر سائیکل کو بچانے کیلئے عاصم نے زور سے بریک لگائے۔ گاڑی تیز آواز کے ساتھ ایک جھٹکے سے رُکی۔ سروش بے خیالی میں بیٹھی تھی۔ اس کا سر زور سے ڈیش بورڈ کے ساتھ ٹکرایا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچ اٹھے۔ ایک سسکاری سی لیکر اس نے خود کو سنبھالا۔ لیکن سر چکرا رہا تھا۔

عاصم نے گاڑی ایک جانب روکی اور اس کی جانب متوجہ ہوا۔ سروش پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے لائٹ جلائی۔ ''آپ ٹھیک تو ہیں؟''

''ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے خود کو نارمل رکھنے کی سعی کی۔

''نہیں۔ آپ ٹھیک نہیں ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ اس کی پیشانی سے پیچھے ہٹاتا ہوا بولا۔ ''دیکھنے دیجئے ناں۔''

''ٹھیک ہے ناں۔ آپ گھر چلئے۔'' سروش نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

عاصم نے جیب سے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ آپ کو چوٹ لگی ہے۔ یہ رومال رکھیے پیشانی پر۔''

''کچھ نہیں ہوا۔'' سروش نے چڑچڑے پن سے کہا۔ ''ایسے ہی بات نہ بڑھائیے۔''

عاصم نے رومال ڈیش بورڈ پر رکھ دیا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ آگے بڑھا تو اس کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز تھی اور وہ ایک دوسری سڑک کی جانب مڑ گیا۔ جو اس کے گھر کی طرف نہیں جاتی تھی۔

''یہ کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' سروش نے پریشانی سے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور گاڑی چلاتا رہا۔ بہت تیزی کے ساتھ۔ سروش اور پریشان ہوئی۔ ''بتاتے کیوں نہیں آپ۔ کدھر جا رہے ہیں؟ گھر کیوں نہیں چلتے؟''

وہ یوں بیٹھا رہا جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے گاڑی ایک گھر کے گیٹ پر روکی۔ جس کے باہر ڈاکٹر عادل حمید کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس کے ہارن دینے پر گیٹ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔

''عادل ہے۔'' اس نے ملازم سے پوچھا۔

''جی ہیں۔'' وہ بولا۔

''آیئے۔'' عاصم نے دروازہ کھول کر کہا۔

سروش نے غصے سے ہونٹ بھینچے۔ ''کیا ضرورت تھی آپ کو آنے کی۔''

''ضرورت یہ تھی کہ آپ کو یہ چوٹ میری وجہ سے لگی ہے۔ اور اب اس چوٹ کا علاج بھی میں ہی کروں گا۔'' اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

سروش بڑی پس و پیش سے باہر نکلی۔ ملازم نے دروازہ کھولا اور وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور دوسرے دروازے سے ایک خوش شکل سمارٹ سا شخص اندر آیا۔ انہیں دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔ ''عاصم! یار خیریت تو ہے۔ تم اس وقت۔ ابھی تو میں تمہاری طرف سے آیا ہوں۔''

''ہاں یار! خیریت تو ہے۔ مگر تھوڑی سی کم ہے۔'' عاصم نے کہا۔

میں تو دیکھ رہا ہوں کہ خیریت بہت زیادہ ہے۔'' اس نے سروش کی طرف دیکھ کر سلام کیا۔

''یہ مس سروش! ہیں۔ صدف کی دوست۔ انہیں چوٹ لگ گئی ہے۔ سوچا تمہیں دکھا لوں۔''

''واہ...... واہ۔ آپ کی سوچ تو بہت ہی اچھی ہے۔ یہ تو آپ نے بہت نیکی



کا کام کیا ہے۔ ماشاء اللہ! جزاک اللہ!'' وہ مزاحیہ انداز میں کہتے ہوئے۔ سروش کے قریب آیا۔

''مس سروش! اس بندے سے بچ کر رہیے گا۔ یہ بڑی گہری چوٹ لگاتا ہے۔''

سروش سنجیدہ ہی رہی۔ وہ دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ ڈاکٹر عادل کا شریر انداز اسے پریشان کر رہا تھا۔ وہ اس کی کسی بات کا جواب دے کر اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ڈاکٹر عادل نے اس کی چوٹ دیکھی۔ ملازم سے میڈیکل باکس منگوا کر ڈریسنگ کر دی اور بولا۔ ''مس سروش! اب تو مسکرا دیجئے۔ چوٹ کچھ اتنی زیادہ خطرناک بھی نہیں کہ آپ یوں منہ بسورے رکھیں۔''

اس کے بے ساختہ انداز پر سروش نے اپنی مسکراہٹ بمشکل ضبط کی اور عاصم کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''چلیے مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''دیر ہو یا سویر۔ آپ نہیں جا سکتیں۔'' ڈاکٹر نے اعلان کیا۔

سروش نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جلدی سے بولا۔ ''یہ ناہنجار تو ہمارے ہی ٹکڑوں پر پلتا ہے۔ لیکن آپ پہلی مرتبہ میرے گھر آئی ہیں۔ آپ چائے پیئے بغیر نہیں جا سکتیں۔''

''جی نہیں شکریہ!'' سروش نے کہنا چاہا۔

''جی شکریہ! بالکل نہیں۔ کیونکہ ابھی تو آپ نے چائے پی ہی نہیں۔'' ڈاکٹر عادل نے کہا اور اسی وقت ملازم چائے کی ٹرالی لیے ہوئے اندر داخل ہوا۔

''لیجیے جناب چائے بھی آ گئی۔'' اس نے آگے بڑھ کر ٹرالی تھامی اور سروش سے بولا۔ ''چائے پینے میں تو آپ کو تھوڑی سی دیر لگے گی اور مجھ غریب کا دل ٹوٹنے سے بچ جائے۔ کچھ رحم کیجئے میرے حال پر بھی۔''

وہ اتنی سادگی سے یہ سب کہہ رہا تھا کہ سروش کو بیٹھنا ہی پڑا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ عاصم مضطرب سا تھا اور بار بار اس کی جانب دیکھتا تھا کہ کہیں اس کا موڈ تو خراب نہیں ہو رہا۔ کیونکہ ڈاکٹر عادل کی زبان تالو سے نہیں لگ رہی تھی۔ وہ بے ضرر مزاحیہ انداز میں خوب ادھر ادھر کی ہانک رہا تھا۔

خدا خدا کر کے چائے ختم ہوئی۔ تو وہ جلدی سے اٹھی۔ ڈاکٹر عادل انہیں باہر تک چھوڑنے آیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ تو اس نے عاصم سے گویا رازداری سے کہا۔ ''بس یار! اب دیر نہ کرنا۔''

جسے سروش نے صاف سنا۔ وہ اس کا مطلب خوب سمجھ رہی تھی اور دل ہی دل میں بری طرح سے اُلجھ رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ یہاں کیوں چلی آئی تھی۔ ڈاکٹر عادل نے اس کی جانب آ کر شیشے میں سے جھانکا۔

''مس سروش! امید ہے اب جلد جلد ملاقات ہوتی رہے گی۔ آپ نے تو ہمارا دل موہ لیا ہے۔''

عاصم نے گاڑی گیٹ سے نکالی۔ تو سروش جو اتنی دیر سے ضبط کیے بیٹھی تھی اس پر برس پڑی۔ ''کیا ضرورت تھی آپ کو یہاں آنے کی؟ وہ شخص نہ جانے کیا سمجھ رہا تھا۔ وہ...... وہ......''!!

''آپ کو میری وجہ سے چوٹ لگی تھی۔ اس لیے میرا فرض تھا۔ اس کی ڈریسنگ وغیرہ کرواتا۔ اور وہ شخص میرا بہت اچھا دوست ہے۔ شریف آدمی ہے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں سمجھ رہا تھا۔ جو آپ کے شایان شان نہ ہو یقین رکھیے۔'' وہ بڑے سکون سے کہنے لگا۔ پھر تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ ''ویسے آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ کیا سمجھ رہا تھا' جو آپ کو قابل اعتراض لگا ہے۔''

سروش جز بز ہوئی۔ عاصم نے اسے ایک مشکل صورتحال میں ڈال دیا تھا۔ نہ



وہ کچھ کہہ سکتی تھی اور نہ چپ رہ سکتی تھی۔ بے چینی سے پہلو بدل کر وہ بات کو نظرانداز کر کے بولی۔ ''جلدی چلیے۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ امی فکر کر رہی ہوں گی۔''

''میری بات کا تو آپ نے جواب ہی نہیں دیا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سے لہجے میں کہا۔

سروش خاموش ہی رہی۔ وہ کچھ کہہ کر بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ رخ پھیر کر شیشے سے باہر تکنے لگی۔ عاصم بھی کچھ دیر خاموش رہا۔ اور خاموشی کا یہ وقفہ لحہ بہ لحہ طویل ہونے لگا۔ اور سروش کا گھر قریب آنے لگا۔

سروش نے اطمینان کا سانس لیا۔

عاصم نے گاڑی روکی۔ سروش نے دروازہ کھولنے کیلئے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ تو وہ پلٹ کر بولا۔ ''مس سروش!''

سروش نے پلٹ کر دیکھا۔ تو وہ ہنس کر بولا۔ ''میرے سوال کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔''

سروش نے کوئی جواب نہیں دیا اور گاڑی سے باہر نکل آئی۔

◆......◆......◆

لیکن اگلے تمام دن یہ بات اس کے ذہن سے نہیں نکلی۔ اس کی آواز، اس کی یہ بات، اس کا لب و لہجہ اور اس کی نگاہ کا زاویہ سب اسے بار بار چھیڑتے رہے۔ اس کی پیشانی پر لگا ہوا بینڈیج اسے ڈاکٹر عادل کی شریر باتوں کی یاد دلاتا رہا۔ نہ جانے کیوں وہ یہ سب باتیں نظرانداز کیوں نہیں کر پا رہی تھی۔ انہیں بھول جانے کی خواہش کے باوجود وہ انہیں بھول نہیں پا رہی تھی اور عاصم بار بار دل کے آئینے میں اپنی چھب دکھلانے لگا تھا۔

◆......◆......◆

وہ بھی عامر کی طرح اس کے دل میں انوکھی تمنائیں جگانے لگا تھا۔ لیکن وہ اتنی نادان نہیں تھی کہ سب کچھ اتنی جلدی بھول جائے۔ ایک دفعہ غلطی کر کے پھر اس کا ارتکاب کرے۔ بار بار دھوکہ کھائے۔ بار بار اعتبار کرے۔

چوٹ ٹھیک ہوگئی تھی۔ مگر ہلکا سا نشان باقی تھا۔ آئینے میں اس نشان پر بار بار نگاہ پڑتی تھی۔ تو یادوں کا ایک رنگین دروازہ کھل جاتا تھا۔

یوں ہی پانی بہاتے ہوئے وہ نہ جانے کیا سوچ رہی تھی کہ جگنو بھاگتا ہوا آیا۔ اور اسے جلدی جلدی بتانے لگا۔ کہ لمبی سی گاڑی میں کوئی مہمان اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ سروش نے گھبرا کر کہا۔ ''ان سے کہہ دو۔ کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔ کہیں گئی ہوئی ہوں۔'' اسے جیسے معلوم ہوگیا تھا کہ لمبی سی گاڑی پر کون آ سکتا ہے۔''

''آپی! اب تو میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ آپ ہیں۔ وہ اندر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔ جگنو نے بے نیازی سے جواب دیا۔

تو وہ متذبذب سی ہوگئی۔ اسے یقین تھا کہ وہ عاصم کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ جھنجلا کر وہ نامعلوم کیا کچھ بڑبڑاتی ہوئی مجبوراً ڈرائنگ روم کی طرف چلی۔ لیکن دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس پر نامعلوم سی گھبراہٹ طاری ہونے لگی تھی۔

عاصم اسے دیکھ کر احتراماً کھڑا ہوگیا۔ سروش نے اس کے آداب کا جواب دیا۔ لیکن کسی گرمجوشی یا تپاک کا اظہار نہیں کیا۔ اور سپاٹ سے لہجے میں بولی۔



''فرمائیے۔'' مسلے ہوئے پھولدار کپڑوں اور قدرے اُلجھے ہوئے بالوں میں وہ بڑی سادہ اور گھریلو معلوم ہو رہی تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ بے تکلفی سے پوچھنے لگا۔

''ٹھیک ہوں جی بالکل۔'' اس نے بڑے تکلف سے جواب دیا۔ اک عجیب سا احساس مرغوبیت اس پر چھایا جاتا تھا۔ وہ پریشان سی ہو کر سوچ رہی تھی کاش یہ یہاں نہ آیا ہوتا۔

''مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا پڑا۔ ورنہ میں پہلے ہی آپ کی مزاج پرسی کے لیے آتا۔ عادل بھی پوچھ رہے تھے۔ آپ کا زخم تو اب ٹھیک ہے نا۔'' وہ بڑی اپنائیت سے استفسار کر رہا تھا۔

''کوئی ایسی بڑی چوٹ تو نہیں تھی۔ شاید دوسرے تیسرے دن ٹھیک ہوگئی تھی۔'' سروش نے لاتعلقی سے کہا۔ ''ویسے آپ کے اس تردد کے لیے شکریہ!''

اس نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''شاید آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا۔''

سروش کچھ جھینپ سی گئی۔ وہ اس کی مزاج پرسی کو آیا تھا۔ جیسا بھی تھا۔ اس کا مہمان تھا۔ اس سے اتنی روکھائی کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یونہی خفیف سی ہو کر بولی ''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''اچھا!......'' وہ تمسخر سے بولا۔ ''تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

سروش نے یونہی سر کو جنبش دی۔ وہ صوفے سے اٹھا اور کچھ دیر کمرے میں ٹہلتا رہا۔ سروش کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی یہ معنی خیز خاموشی بڑی صبر آزما تھی۔ چپ کے اس وقفے نے اسے بے کل سا کر دیا۔ اس کا یہ رویہ ناقابل فہم سا

ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک وہ اس کی جانب مڑ کر اس سے مخاطب ہوا۔ ''مس سروش! آپ نے تو نفسیات پڑھی ہے۔ مجھے اک بات تو بتایئے۔ سنا ہے انسان جس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے یا جس سے شعوری طور پر کتراتا ہے وہی اس کے نفس میں مغلوب نہیں ہوتا۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ اس بارے میں۔''

سروش سن سی ہوگئی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں اس کے مفہوم کو گہرا کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں سمجھا رہی تھیں کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ وہ اس حیران کن صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے خود کو تیار کرنے لگی۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔ لیکن وہ اسے اس کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے مرعوب ہوئے بغیر عام سے لہجے میں کہا۔''

اپنی اپنی رائے ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر کتابی بات سے متفق ہوا جائے۔''

''تو گویا آپ اس سے متفق نہیں ہیں۔'' اس نے استفسار کیا۔

''میں رائے زنی نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے ناگواری سے جواب دیا۔

وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ ''سروش آپ کا رویہ بڑا واضح ہے۔ آپ کی یہ لاتعلقی یہ بلاوجہ روکھائی اور بیزاری۔ یوں لگتا ہے ہے۔ جیسے آپ مجھے نظرانداز نہیں کر پائیں۔''

سروش نے ٹک ٹک ہوکر اس کی طرف دیکھا۔ وہ تھوڑا قریب آ گیا۔

''سروش'' آپ جو رویہ میرے ساتھ روا رکھتی ہیں اس میں بناوٹ صاف نظر آتی ہے۔ یہ سب کچھ آپ کی شعوری کوشش معلوم ہوتی ہے۔

سروش کو اس سے اتنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو ہر لمحے خود کو یقین دلاتی رہتی تھی کہ وہ اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن اس وقت اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے یہ کیا کہہ دیا تھا کہ اس میں تردید کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ وہ بڑی



دلچسپی سے اس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔

وہ کچھ حیرانی، بے یقینی اور اضطراب کی ملی جلی کیفیت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ یہ سب کیا کہہ رہا ہے۔ اس کی آواز اسے بہت دور سے لیکن اپنے اندر سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پلک جھپکے بنا اس کی جانب یوں حیرت سے دیکھ رہی تھی جیسے وہ کسی ایسی زبان میں بات کر رہا ہو جسے وہ سمجھنے سے قاصر ہے۔

''سروش آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا۔'' عاصم نے ہولے سے کہا اور اس کا ہاتھ نرمی سے تھام لیا اسے یوں محسوس ہوا جیسے فضا میں اچانک موسیقی بکھر گئی ہے۔ اس کی دراز پلکیں اس کے رخساروں سے چھونے لگیں۔ اس نے جھک کر اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا اور لطیف سی سرگوشی کی۔

''سروش کتنا اچھا ہو۔ اگر ہم ہمیشہ ایک ساتھ رہیں۔''

سروش کے لرزتے ہوئے ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں میں تھے۔ وہ اسے محبت کی انجانی راہوں پر لیے جاتا تھا۔ وہ اس لمحے کو بے بس سی ہوگئی۔ اس کا جی چاہا کہ اس کے فراخ سینے پر سر رکھ کر ہمیشہ کیلئے آسودہ ہو جائے۔

اس نے پلکیں اٹھائیں اس کی شرمیلی نگاہیں ان محبت پاش نظروں سے ملیں جو اسے خوبصورت پیام دے رہی تھیں۔ اس کے گرد و پیش پھیلا ہوا لمحہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔

لیکن یہ پھول ایسا لمحہ کانٹے کی طرح اس کے من میں کھٹک گیا۔

کبھی عامر نے بھی تو اس کے ہاتھ یونہی تھامے تھے۔ اسی طرح اس پر جھک کر کہا تھا۔

"مجھے میری سروش چاہیے۔"

یہ محبت کا چہرہ بدلا ہوا کیوں ہے؟ اس نے حیرت سے سوچا کل اس نے اسے عامر کے روپ میں دیکھا تھا۔ آج وہ عاصم کے پیکر میں مجسم ہوگئی تھی۔ اس نے کل دھوکہ کھایا تھا۔ لیکن آج فریب کیوں کھائے؟

اس نے گومگو کی سی کیفیت میں سوچا۔

جذبات کی یورش جس نے اسے چھوئی موئی سا بنادیا تھا یک لخت زائل ہوگئی۔ وہ صرف اک عورت بن گئی۔ ایک فریب خوردہ عورت جس کا اعتبار محبت سے اٹھ گیا تھا۔ جسے محبت صرف ایک خوبصورت دھوکہ معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے زور سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے اور تلخی سے بولی۔

"میں فضول باتیں سننے کی عادی نہیں ہوں۔"

اک لمحے کو تو عاصم بھونچکا سا رہ گیا۔ اس نے ابھی ابھی تو سروش کو شرمیلی دوشیزہ کے روپ میں دیکھا تھا جس کے شفق آلود رخساروں پر سیاہ پلکیں جھک جھک جاتی تھیں۔ اس کا سر یوں جھکا جاتا تھا جیسے ابھی اس کے سینے سے آ لگے گا لیکن اب وہ آنکھوں میں برہمی کی چمک لیے اس کی جانب بے باکی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس اچانک تبدیلی پر حیران تو ہوا لیکن سنبھل کر بولا۔

"سروش!" "آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"میں کہہ رہی ہوں۔ آپ تشریف لے جایئے یہاں سے۔"

اس نے برہمی سے کہا۔

وہ کچھ دیر غور سے اس کی طرف تکتا رہا۔ پھر تحکمانہ سے لہجے میں بولا۔

"کیوں؟"



"اس لیے کہ نفرت ہے مجھے آپ سے۔ زہر لگتے ہیں آپ مجھے۔ آپ چلے جائیں یہاں سے۔ تشریف لے جائیں میں کہہ رہی ہوں۔"

عاصم نے سختی سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ "جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔" اس کے لہجے میں بہت زور تھا۔

"نہیں!" سروش نے اتنی ہی تندہی سے اس کا ہاتھ جھٹکا لیکن عاصم کی گرفت مضبوط تھی۔ اس نے پھر ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن اس نے نہیں چھوڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جھوٹ کہہ رہی ہیں آپ۔ سروش مان جایئے کہ یہ جھوٹ ہے۔ غلط ہے۔"

سروش نے خود کو کمزور پڑتے ہوئے محسوس کیا۔ اسے معلوم ہوا کہ اگر وہ چند لمحے یہاں اور ٹھہرا۔ تو نہ جانے کیا ہو جائے گا۔ وہ اپنی بات رکھنا چاہتی تھی۔ وہ اس کا مان توڑنا چاہتی تھی۔ وہ جو ہر مرد کی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ کمزور سی لڑکی۔ اس کی محبت پاش نظروں سے پگھل جائے گی۔ اس نے جھلا کر اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"چھوڑیئے۔ میرا ہاتھ۔"

عاصم نے ہاتھ نہیں چھوڑا۔ اور اسے کھینچ کر خود سے قریب کرلیا۔ اور اس کی غصے میں دہکتی ہوئی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"ہاتھ چھوڑنے کیلئے نہیں پکڑے جاتے۔"

اس کی آواز کی گونج چاروں جانب پھیل گئی۔ وہ کانپ کر اس سے دور ہٹتی ہوئی بولی۔ "شرم آنی چاہیے آپ کو۔"

عاصم نے یک لخت اسے ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا، وہ لڑکھڑا کر قریبی صوفے پر گر پڑی۔ اور کچھ سہم کر اس کی جانب تکنے لگی۔ وہ کچھ دیر اس کی طرف تیز تیز نظروں

سے دیکھتا رہا۔ پھر ہلکا خم ہو کر بولا۔ ''شرم مجھے نہیں آپ کو آئے گی۔ جس روز آپ اقرار کریں گی۔ دیکھ لیجئے گا۔ اقرار تو آپ کو کرنا ہی پڑے گا۔ سروش۔ پھر اس روز بہت نہ شرمایئے گا۔''

وہ اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا اور شائستگی سے خم ہوا۔

''اجازت...... مجھے امید ہے۔ ہم بہت جلد ملیں گے۔''

◆......◆......◆

ساری رات سوچوں کی دوڑ میں الجھی رہی۔ وہ پشیمان سی ہو کر سوچتی رہی کہ یہ سب کیا ہے۔ یہ کس طرح ہوا ہے اور کیوں ہوا ہے؟ وہ کس طرح اس غیر متوقع صورتحال سے مقابلہ کرے؟ کیونکر عاصم کا سامنا کرے؟ جو اس کے دل میں ویسے ہی احساسات جگا رہا ہے۔ جو کبھی عامر کے دم سے جاگ اٹھتے تھے۔ کیا وہ پھر فریب کھا رہی ہے۔ یہ کیا اسے پھر دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ کیا وہ محبت کی بھول بھلیوں میں پھر گم ہو جانے کو ہے۔ اس کا ننھا سا پاگل دل اعتماد کر لینے کو بہانے تلاش کر رہا تھا۔ وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔ بستر سے نکل کر کمرے میں ٹہلتی رہی۔ نہ جانے کن گتھیوں کو سلجھاتی رہی۔ کن الجھنوں کو واضح کرتی رہی؟ کیا فیصلے کرتی رہی؟ کیا کیا سوچتی رہی؟

اگلی صبح جب وہ کالج جانے کیلئے تیار ہوئی تو بڑی پرسکون تھی۔ جذبات کی یورش اور طوفان سے نکل کر وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ سارا اضطراب، تمام بے قراریاں اپنی جان پر جھیل کر وہ پھر معمولات میں گم ہو گئی۔ وہ یوں آسودہ سی ہو گئی جیسے اپنے فیصلوں پر پورا اعتماد ہو۔ جیسے اپنی ذات پر پورا بھروسہ ہو۔ جیسے خود پر اعتبار ہو۔

کالج میں دو تین پیریڈ لگاتار پڑھا کر وہ اسٹاف روم کی طرف آ رہی تھی کہ



موبائل کی گھنٹی بجی۔

نازش فون پر تھی۔ اس کا دماغ ماؤف سا ہو گیا۔ وہ ہسپتال سے بول رہی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ راجہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ برے برے سے خیالات نے اسے چکرا دیا۔ بار بار یہی خیال دل میں آتا تھا کہیں راجہ کو کچھ ہو نہ جائے۔ بھاگم بھاگ ہسپتال پہنچی تو نازش کالٹی کے باہر ہی مل گئی۔ وہ رو رہی تھی۔ سروش کا دل دھک سے ہو گیا۔ یہ لمحہ اس پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑا۔ اس نے نازش کو جھنجھوڑ ڈالا۔ ''ناشی، ناشی، کیا ہوا ہے راجہ کو۔''

''وہ، وہ اندر ہے۔ آپریشن تھیٹر میں شاید۔ وہ، وہ خون کے لیے کہہ رہے ہیں۔'' وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔

◆......◆......◆

سروش پریشانی میں بلڈ بینک کی طرف دوڑی۔ ان کے پاس حسب معمول اس کا گروپ موجود نہیں تھا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اگر راجہ کو کچھ ہو گیا تو؟'' یہ خوفناک خیال کسی مکڑی کی طرح اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ مارے گھبراہٹ کے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ پاؤں کہیں رکھتی تھی۔ اور پڑتے کہیں تھے۔ کسی کو ساتھ بھی تو نہیں لے کر آئی تھی۔ یہ سوچ کر زیب کو فون کر کے بلوا لے۔ وہ اکھڑے اکھڑے سے قدم یعنی باہر نکلی تو سامنے سے آنے والے اک عجیب و غریب حلیئے کے آدمی نے سگریٹ کا زوردار کش لے کر راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ ''کیوں بی بی، کوئی خون شون چاہیے۔''

سروش ٹھٹک گئی۔ یہ شخص رحمت کا فرشتہ بن کر آیا تھا۔ اس نے عجلت میں سر ہلایا۔

''کون سا گروپ۔'' اس نے چٹکی بھلا کر سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔ سروش نے گروپ بتایا تو وہ سر ہلا کر بولا۔'' بی بی! مل تو جائے گا۔ پر ذرا مال شال لگانا پڑے گا۔

سروش ہر قیمت ادا کرنے کو تیار تھی۔ ''ہاں تم پیسوں کی فکر نہ کرو۔'' اس نے پرس کھولا۔ اس وقت کسی نے قریب آ کر کہا۔''خیریت تو ہے۔ مس سروش! سروش نے سر اٹھا کر دیکھا۔ عاصم قریب ہی کھڑا فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔ سروش اسے اس طرح سامنے دیکھ کر حیران سی ہو گی۔ وہ جس فکر مندی سے استفسار کر رہا تھا۔ اس نے اسے



حوصلہ دیا۔ وہ اس کے بارے میں سب کچھ بھول کر جلدی جلدی اسے بتانے لگی کہ اسے اپنے بھائی کے لیے خون کی ضرورت ہے۔

''چلیئے آئیے کوئی انتظام کرتے ہیں۔'' عاصم نے اس کا بازو پکڑا اور اس شخص سے بولا ''میاں جاؤ۔ اپنا کام کرو۔ ہم خود انتظام کرلیں گے۔''

سروش پریشان ہو گئی۔ یہ کیا کیا آپ نے۔ وہ شخص تو خون کا انتظام کر رہا تھا۔ میں نے پتہ کرلیا ہے۔ بلڈ بینک میں اس کا گروپ نہیں ہے۔

''اس کا گروپ ابھی مل جائے گا۔ آپ چلیئے تو سہی۔ سب کچھ مل جائے گا۔ وہ اس کے برابر چلتا ہوا بولا۔

بلڈ بینک کے قریب کھڑی ہوئی نازش ان کی طرف لپکی۔'' آپی! خون کا کوئی انتظام ہوا؟''

''جی ہاں ہو گیا ہے بالکل۔'' اس کے بجائے عاصم نے جواب دیا۔ سروش نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ انہیں دیا بھی جا چکا ہے۔ اور اب وہ بہتر ہیں۔''

''ہائے اللہ شکر ہے۔'' نازش نے آنکھیں میچ کر کہا۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' سروش نے عاصم سے حیران ہو کر پوچھا۔

نازش نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔''ارے آپی! یہی تو ہیں۔ جنہوں نے'' مجھے اور راجہ کو ہاسپٹل پہنچایا ہے۔ شکر ہے۔ یہ وہاں سے گزر رہے تھے۔ نہیں تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔'' وہ پھر روہانسی ہو گئی۔

''ارے ارے، اب آپ رونے مت بیٹھ جائیے۔ آپ کی آپی آپ کی کسر بھی پوری کر رہی ہیں۔ وہ خوش طبعی سے بولا۔ تو سروش نے چونک کر اپنی آنکھیں خشک کرلیں اور ہولے سے بولی۔''عاصم صاحب! میں بہت ممنون ہوں اگر آج آپ مدد نہ کرتے تو ہماری دنیا اندھیر ہو جاتی۔''

''کیوں شرمندہ کررہی ہیں۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ تو سروش نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کی قمیض پر خون کے دھبے تھے۔ اس نے پریشان ہوکر اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''یہ کیا ہوا آپ کو۔''

عاصم نے محفوظ نظروں سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تو اس نے مجوب ہوکر ہاتھ اٹھالیا۔ وہ تھوڑا سا خم ہوا۔ ''اس التفات کے لیے نوازش۔ ویسے ہمیں کچھ نہیں ہوا۔ یہ خون آپ کے بھائی کو اٹھاتے ہوئے لگ گیا ہے۔''

''راجہ کا خون۔'' سروش کا دل دھک سے رہ گیا۔ پریشان ہوکر نازش سے بولی۔ ناشی پتہ نہیں اس کا کیا حال ہے، آؤ ذرا چل کر دیکھیں۔''

''آپ فکرمند نہ ہوں۔ وہ خطرے سے باہر ہیں۔ شاید ابھی بیڈ پر پہنچا دیئے جائیں گے۔'' عاصم نے اطلاع دی۔

''سچ سچ عاصم صاحب! بہت احسان کیا آپ نے نازش اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بہتر سے بہتر لفظوں کی تلاش میں تھی۔ عاصم نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ ''زیادہ نہیں بولا کرتے۔ چپ رہیئے۔''

سروش نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن الفاظ نے ساتھ نہ دیا۔ اس نے ایک تشکر آمیز نگاہ عاصم پر ڈالی۔ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی۔ احسان مندی کے جذبات سے لدی ہوئی اس ایک نگاہ میں وہ کچھ تھا جو الفاظ میں کبھی نہیں سما سکتا۔ عاصم نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''مجھے اجازت ہے۔''

''آپ پھر کبھی ضرور آئیں۔ ابھی تو راجہ بھائی ہسپتال میں ہی ہوں گے، امی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔'' نازش نے خوش اخلاقی سے کہا۔

تو عاصم نے ایک نگاہ سروش پر ڈالی۔ اس کے احساسات متضاد سے ہو رہے تھے۔ وہ کچھ کہہ نہیں پاتی تھی۔ نازش چلنے کو ذرا آگے ہوئی تو عاصم نے اس کے قریب



جھک کر کہا۔ ''ہمیں پھر آنے کی اجازت ہے۔''

سروش نے کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ غیرارادی طور پر اس کا سر اثبات میں ہل گیا۔

بہت دنوں بعد کہیں راجہ اٹھنے کے قابل ہوا تھا۔ لیکن کمزوری اب تک باقی تھی۔ زخم مندمل ہو رہے تھے۔ ایک ٹوٹا ہوا بازو گلے کا ہار بنا ہوا تھا۔ اب وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ سکتا تھا۔ سروش اس کے قریب بیٹھی سیب کاٹ رہی تھی اور برابر اس کو ڈانٹ رہی تھی۔

''شرم تو نہیں آئی۔'' ڈھیٹ کو کتنی بار کہا ہے کہ دوسروں کے سکوٹر لے کر نہ گھوما کر۔ لیکن تجھے اثر ہی نہیں ہوتا۔''

''اوہو۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ سکوٹر کی بریکیں ہی ڈھیلی تھیں۔''

سروش نے آنکھیں نکالیں۔ ''پھر کس نے کہا تھا تجھ سے کہ ناشی کو ساتھ بٹھا۔''

''حیرت ہے کہ یہ بچ کیسے گئی۔'' راجہ بے ساختہ ہنسا۔ ''میرا تو جو حشر ہونا تھا سو ہوا۔ مجھے تو فکر تھی اس ناشی کی بچی کی۔ پر شکر ہے کہ بچ ہی گئی۔''

''نالائق نہ ہو تو، آئندہ اگر تو نے ایسی حرکت کی تو دیکھنا۔ سروش نے اس کا کان ہولے سے مروڑا۔

''ہائے اللہ امی دیکھیں یہ مجھے مار رہی ہے۔'' وہ دہائی دینے لگا۔

امی ہنس پڑیں۔ ''تیرے بھلے کو ہی کہتی ہے نا۔ تو تو چوٹ لگوا کر بیٹھ گیا اور ہماری جان سولی پر ٹنگی ہے۔''

راجہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ''آجاؤ بھئی۔ دروازہ کھلا ہے۔'' راجہ نے ہی بلند آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور عاصم کا چہرہ دکھائی دیا۔ راجہ نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

امی نے بھی غور سے دیکھا وہ دونوں اسے نہیں پہچانتے تھے۔ سروش نے اسے اندر آنے کیلئے کہا۔ اور امی کو بتایا کہ وہی راجہ کو ہسپتال لے کر گیا تھا۔

امی نے اٹھ کر بڑے تپاک سے اس کی بلائیں لیں۔ اور دعائیں دینے لگیں۔ اس غیر معمولی استقبال سے وہ کچھ جھینپ سا گیا۔ اور خوش اخلاقی سے بولا۔

''میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ تو ہر انسان کا فرض ہے۔''

''بیٹا کتنے لوگ ہیں جو اپنا فرض پہچانتے ہیں۔'' امی نے کہا۔'' تم نے مصیبت کے وقت ہماری مدد کی ہے یہ بات بھولنے کی نہیں ہے۔

وہ سنی ان سنی کر کے راجہ کی طرف بڑھ گیا۔ راجہ نے گرمجوشی سے بایاں ہاتھ ملایا اور خوش دلی سے بولا۔''عاصم صاحب! آپ نے اپنا فرض پہچانا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ان کو اس کا تذکرہ کچھ دیر کرنے دیجئے۔ اور ذرا اس پر غور کیجئے۔ پھر دیکھئے کتنا مزہ آتا ہے اپنی تعریف سننے میں۔''

عاصم محظوظ ہوا۔''شاید پ کو اپنی شعریف کروانا بہت پسند ہے۔''

''جی ہاں بہت زیادہ'' وہ ہنسا۔''ابھی یہ سروش بیٹھی میری شان میں قصیدہ پڑھ رہی تھی۔''

''اور ساتھ اس نے کان بھی مروڑی تھی۔'' نازش نے بھی دخل دیا۔

''بس اور کچھ مت کہنا۔ راجہ جلدی سے اس کی بات کاٹ کر بولا۔ اب ذرا اٹھ کر عاصم صاحب کی کچھ خاصر تواضع بھی کرو کہ یہاں سے صرف دوائیوں کی بو سونگھ کر چلے جائیں گے۔''





''نہیں۔نہیں۔ یہ کسی تکلف کا موقع نہیں۔'' عاصم جلدی سے بولا۔

نازش اٹھ کر پلیٹ میں پھل وغیرہ رکھنے لگی۔ امی نے محبت سے کہا۔''نہیں بیٹا۔ تکلف کیسا۔ اللہ رکھے راجہ اچھا ہو جائے۔ تو تمہیں گھر بلائیں گے۔ ہمارا بھی جی چاہتا ہے۔ تمہاری خدمت کرنے کو۔''

وہ جواباً کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ سروش نے دروازہ کھولا۔ تو ایک باوردی ڈرائیور نے اندر جھانکا۔ اس نے پھلوں کی ٹوکری اور گلدستہ اٹھا رکھا تھا۔

''اندر آ جاؤں جی؟'' اس نے پوچھا۔

راجہ نے تمسخر سے کہا۔''ضرور آ جایئے جناب! جس طرح آپ لدے پھندے چلے آ رہے ہیں۔ آپ کو روک کر ہمیں گناہگار نہیں ہونا۔ ویسے تو آپ غلطی سے ادھر آ گئے ہیں۔ لیکن اب آ گئے ہیں۔ تو آ ہی جایئے۔ اتنا سامان اٹھا کر آپ کہاں مارے مارے پھریں گے۔''

عاصم اس کی بات سے محظوظ ہوا۔ وہ پھل اور گلدستہ رکھ کر چلا گیا۔ تو امی نے راجہ کو ڈانٹا۔

''راجہ یہ کیا حماقت ہے؟''

''حماقت کیا۔ یہ سارا پھل یہاں ہم غریب مریضوں میں بانٹیں گے۔ اب یہ

کتنی زیادتی ہے کہ ایک اکیلا آدمی۔ اتنا سارا پھل کھا جائے۔ اس کو کچھ دوسروں کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔'' راجہ نے فلسفہ بگھارا۔

عاصم بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سروش کو کچھ شک سا ہوا۔ اس نے کڑی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ آپ کا ڈرائیور تھا عاصم صاحب!''

عاصم نے جواب نہیں دیا۔ ہنس کر ٹالنا چاہا۔ امی نے تکلف سے کہا۔ ''بیٹا! تم نے اتنا تکلف کیوں کیا؟''

راجہ بولا۔ ''عاصم صاحب! یہ اتنے سارے پھل تو آپ اپنے دست مبارک سے تمام مریضوں میں تقسیم کر آئیں۔ اگر میں نے یہ سب کچھ کھا لیا۔ تو کہیں کچھ روز زیادہ ہی ہاسپٹل میں نہ رہنا پڑے۔''

عاصم نے موضوع بدل دیا۔ کافی دیر خوشگوار باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن سروش نے بہت کم گفتگو میں حصہ لیا۔ وہ خود میں ہی الجھی ہوئی تھی۔ عاصم کی موجودگی اسے بار ہونے لگی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے گھر والوں سے بے تکلف ہو۔ اس کی نوازشات اسے خائف کر رہی تھیں۔ اس کے اندر گھٹن اور بے چینی بڑھ رہی تھی۔ اس ماحول سے نکلنے کیلئے وہ خاموشی سے اٹھی اور آہستگی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

وہ یونہی بے مقصد ہاسپٹل کے سبزہ میں گھومتی رہی۔ لیکن عاصم کا تصور اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ من الجھا ہوا تھا۔ اور حالات بھول بھلیوں کی طرح لگ رہے تھے۔ وہ کافی دیر تک خود ہی کھوئی ہوئی ٹہل ٹہل کر وقت گزارتی رہی۔ پھر اس نے گھڑی دیکھی۔ اتنا وقت گزر گیا تھا کہ عاصم یقیناً چلا گیا ہوگا۔

یہ سوچ کر وہ پلٹی۔ لیکن جیسے ہی راہداری میں داخل ہوئی۔ دھک سے رہ گئی۔ اس کا جی چاہا کہ واپس پلٹ جائے۔ عین سامنے عاصم کسی ڈاکٹر سے باتیں کرتا ہوا آ رہا تھا۔ وہ وہیں ٹھٹک کر ابھی فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ کیا کرے۔ تب تک وہ دونوں قریب



آ گئے۔ عاصم اس کے مقابل رک گیا۔ سروش! آپ کہاں چلی گئی تھیں؟''

ابھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ اس کے ساتھی ڈاکٹر نے بے تکلفی سے ہاتھ بڑھایا۔ ''واہ...... واہ...... مس سروش! مجھے نہیں پتہ تھا کہ میری دعائیں اتنی جلدی مقبول ہو جائیں گے۔ میں تو روز دعا مانگتا تھا کہ آپ سے پھر ملاقات ہو۔''

اب سروش نے پہچانا کہ وہ ڈاکٹر عادل تھا اور دل ہی دل میں گھبرائی۔ کہ اب اس سے جان چھڑانا مشکل ہوگا۔ وہ بڑی توجہ کے ساتھ اس سے پوچھ رہا تھا کہ ہاسپٹل میں اس کا کون مریض ہے۔ سروش نے جلدی جلدی اس کی باتوں کے مختصر جواب دیئے اور بولی۔

''جی اچھا۔ میں چلتی ہوں۔''

''جی نہیں آپ نہیں جائیں گی۔'' ڈاکٹر عادل نے فوراً ہی اس کا بازو پکڑ لیا۔

سروش گڑبڑائی۔ اس نے گھبرا کر بازو چھڑانا چاہا۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''میں آپ کو روک رہا ہوں۔ کیوں ابھی آپ نے ہمارے ساتھ چائے پینی ہے۔'' ڈاکٹر عادل نے اس کا بازو نہیں چھوڑا۔

''جی نہیں۔ شکریہ!'' سروش نے جلدی سے کہا۔

''لیجئے۔ بھلا چائے پیئے بغیر ہی شکریے کا کیا تک۔'' وہ بدستور اس کا بازو تھامے ہوئے بولا۔ ''مس سروش! میں بڑا پرخلوص انسان ہوں اور اپنے خلوص کی قدر کروانا اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں۔''

سروش نے سٹپٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''آپ میری بات کیوں نہیں سنتے۔''

''معاف کیجئے میرے کان کمزور ہیں۔'' اس نے برجستہ کہا۔

سروش کو ہنسی آ گئی۔ ''دیکھئے میں چائے نہیں پیتی ہوں۔'' اس نے بہانہ بنایا۔

''تو پھر آج پی کر دیکھئے۔ واہ۔ کیا مزیدار چیز ہے۔ ہم تو اس کو انسان ہی

نہیں سمجھتے جو چائے نہیں پیتا۔ بس اب انکار نہ کیجئے گا۔ کفران نعمت کریں گی۔ تو سچ مچ کافی گناہ ملے گا۔'' وہ بہت مزے سے کہتا جا رہا تھا۔

سروش قدرے تلخ ہوئی۔ ''آپ خوامخواہ مجھے مجبور کر رہے ہیں۔''

''تو آپ مجبور ہو جائیے ناں پلیز۔'' اس نے ایک شریری التجا کی۔

''دیکھئے اب دل تو نہ توڑیئے۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا۔ یوں بات کر رہا تھا۔ جیسے اسے نہ جانے کب سے جانتا ہو۔

سروش عجیب مصیبت میں گرفتار تھی۔ وہ اتنی شگفتگی اور بے ضرر سی بے تکلفی سے بات کرتا تھا کہ اسے کوئی سخت جواب بھی نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس کے دلچسپ رویے اور مضحکہ خیز حرکتوں سے ماحول کچھ ایسا بن گیا تھا کہ تلخی پیدا نہیں کی جا سکتی تھی۔

یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا۔ اپنے کمرے تک پہنچ گیا۔

جب وہ چائے بنا رہی تھی۔ تو وہ قریب ہی صوفے پر بیٹھا ہوا بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ ''مس سروش! ذرا اتنا تو بتا دیجئے کہ آپ کو دل وغیرہ توڑنے کا اتنا شوق کیوں ہے؟''

سروش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن وہ عاصم کی گہری نگاہوں کو اپنے چہرے سے چھوتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں بے طرح الجھ رہی تھی۔ یہ ڈاکٹر بھی ایک پٹاخہ ہی تھا۔ وہ خاصی عجیب وغریب باتیں بڑی سہولت سے اس طرح کہہ دیتا تھا کہ وہ بالکل بے ضرر سی محسوس ہوتی تھیں۔

وہ مسلسل اوٹ پٹانگ بولتا جا رہا تھا۔ سروش اس کی بات پر بالکل کان نہیں دھر رہی تھی۔ اس نے چائے بنا کر پیالی اس کی طرف بڑھائی۔ تو وہ بولا۔ ''مس سروش! میں آج کسی خاتون سے ایک چھوٹا سا مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ مل گئیں۔ اب میں آپ سے ہی پوچھ لیتا ہوں۔ دیکھیں ناں کسی کو نیک مشورہ دینا بہت ثواب کا



کام ہے۔

سروش اسے نظر انداز کئے ہوئے اپنے لئے چائے بنانے لگی۔ وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنا فلسفہ بگھار رہا تھا۔ ''مس سروش! آپ بھی ایک خاتون ہیں۔ خواتین کے رویے، ان کے جذبات، ان کے محسوسات کے بارے میں ہم سے بہتر جانتی ہیں۔'' اس نے یوں تھوڑا توقف کیا۔ جیسے اس کا ردعمل دیکھنا چاہتا ہو۔

سروش! یوں لاتعلق سی بیٹھی چائے پیتی رہی۔ جیسے اسے اس کی بات سننے کا کوئی اشتیاق نہ ہو۔ ڈاکٹر عادل بھی خاموش ہی رہا۔ اور خاموشی کا وقفہ طویل ہوا۔ سروش نے اب بھی کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔

ڈاکٹر عادل نے زور سے پیالی میز پر رکھ دی اور روٹھا ہوا سا بولا۔ ''مس سروش! آپ تو میری بات سن ہی نہیں رہیں۔''

''سن تو رہی ہوں۔ یا آپ کی بات سننے کیلئے ہیئرنگ ایڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔'' سروش نے برجستہ کہا۔

وہ کھل کر مسکرایا اور پھر رواں ہو گیا۔ ''ہاں۔ تو میں کہہ رہا تھا مس سروش! کہ آپ سے مشورہ یہ لینا ہے کہ میرے ایک بہت ہی عزیز دوست کو ایک بہت پیاری لڑکی سے 'وہ' ہو گئی ہے۔ 'وہ'۔ یعنی محبت۔!!! مگر اب مشکل یہ ہے کہ یہ بات کیسے معلوم کی جائے کہ اس لڑکی کو بھی اس سے محبت ہے۔''

سروش گڑبڑائی۔ اسے اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ یوں براہ راست بات کرنے لگے گا۔ وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے کے باوجود کچھ گھبرا سی گئی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ دونوں بڑے غور سے اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس نے دل میں ٹھان لی کہ وہ ان دونوں چالاک مردوں کو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ اس نے خود کو سنبھال لیا اور روکھائی سے بولی۔ ''میں آپ کو اس بارے

میں کیا رائے دے سکتی ہوں۔''

''خدا کیلئے مس سروش! ایسا کورا جواب تو نہ دیجئے پلیز!'' اس نے دہائی دی۔

سروش کو ہنسی آ گئی۔ ''ڈاکٹر صاحب! آپ کیوں دوسروں کے ذاتی معاملات میں دخل دیتے ہیں۔ آپ کے دوست جانیں یا وہ لڑکی۔''

''وہ۔ ہو ہو ہو۔! یہ ان کا ذاتی معاملہ نہیں ہے ناں۔'' وہ ابھی کوئی پینترا بدلنے والا تھا کہ نرس اسے بلانے کیلئے آ گئی۔ وہ سخت بیزاری کے عالم میں اٹھا۔ بہت جھنجھلایا اور اس سے معذرت کرتا ہوا بولا۔ ''دیکھئے مس سروش! یہ بات بڑی اہم ہے۔ سمجھئے کہ موت زندگی کا معاملہ ہے۔ آپ کی جو بھی رائے ہو۔ عاصم کو بتا دیں۔''

''جی نہیں۔ میں بھی چل رہی ہوں۔'' سروش بھی جلدی سے اٹھ گئی۔

''ارے نہیں...... نہیں...... ہرگز نہیں!!۔! وہ جو دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ وہیں سے پلٹ کر بولا۔ ''ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا۔ آپ کو قسم ہے۔ جو بھی آپ کی رائے ہے۔ وہ عاصم کو بتا کر جایئے گا۔'' وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

سروش ٹپٹا سی گئی۔ وہ دونوں مل کر اسے بیوقوف بنا رہے تھے۔ عاصم بڑے اطمینان سے صوفے پہ بیٹھا۔ دلچسپی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ عاصم تیزی سے اٹھ کر راہ میں آ گیا۔

''کچھ دیر تو رکیئے سروش!''

''دروازے سے ہٹ جایئے۔'' وہ ترشی سے بولی۔

''دروازے پر تو اسی وقت کھڑا ہوا جاتا ہے۔ جب کسی کے چلے جانے کا اندیشہ ہو۔'' وہ سادگی سے کہنے لگا۔

سروش چند قدم آگے بڑھی اور سنجیدگی سے بولی۔ ''جانے دیجئے مجھے۔''

''ابھی تو آپ نے عادل سے کہا تھا کہ وہ لڑکی جانیں یا ان کا دوست۔ تو پھر



کیسے جانے دے ان کا دوست۔ اس لڑکی کو۔''

سروش اس کے براہ راست تخاطب سے چڑ سی گئی۔ اس نے بات کی تو اس کا لہجہ بہت تلخ تھا۔ ''عاصم صاحب میں آپ کی عزت کرتی ہوں۔ لیکن اگر آپ نے اپنا رویہ نہیں بدلا۔ تو میں اس کا پاس نہیں کر سکوں گی۔ مجھے آپ سے اس کی توقع نہیں تھی کہ آپ مجھے اپنے دوستوں میں رسوا کرتے پھریں گے۔''

''اوہ۔ آپ کیا سمجھ رہی ہیں؟'' وہ یکدم پریشان ہو گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے تھاما اور ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ اس کا چہرہ متغیر تھا۔

''مس سروش! پلیز اپنی یہ غلط فہمی فوراً دور کر لیجئے۔ میں نے کسی سے بھی آپ کا تذکرہ نہیں کیا۔ عادل میرا بچپن کا دوست ہے۔ اس نے جو کچھ بھی کہا ہے۔ خود سے کہا ہے۔ لیکن کسی بری نیت سے نہیں۔ ایسی بات کبھی سوچئے گا بھی نہیں۔ بخدا! آپ کی عزت میری عزت ہے۔ میں آپ کو کیوں رسوا کروں گا۔ میں تو آپ کو باعزت طریقے سے اپنانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ رضا مند ہوں۔ تو میں صدف کو آپ کے گھر بھیجوں۔''

سروش! لمحے بھر کو سن سی ہو گئی۔ یہ اچانک اس نے کیا کہہ دیا تھا۔ کہ لمحے ایک خوبصورت سوال میں ڈھل گئے تھے۔ محبت ایک بار پھر اس کے مقابل عاصم کی صورت میں آن کھڑی ہوئی تھی اور مسحور کر دینے والی نگاہوں سے اس کے رگ و پے میں جادو سا جگا رہی تھی۔

وہ بے طرح پریشان ہوئی۔ ناپائیدار محبتوں کا کھیل پھر ایک بار کھیلنا لاحاصل تھا۔ اس نے متانت سے اپنا فیصلہ سنایا۔ ''عاصم صاحب! آپ مجھے مجبور سمجھ کر معاف کر دیں۔ اور صدف کو اس معاملے میں مت الجھایئے۔ وہ میری دوست ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی وجہ سے اسے دکھ پہنچے۔ یا مجھے اس سے قطع تعلق کرنا پڑے۔''

''نہیں سروش! فیصلہ کرنے میں اتنی جلدی نہ کیجئے۔ وہ ملائمت سے بولا۔

سروش کو اس کی آنکھوں میں جگمگاتے ان گنت ستاروں کی جھلمل اپنی روح میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ ان آنکھوں سے نگاہیں چرا گئی۔ اور سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ ”عاصم صاحب مجھ پر میرے خاندان کی ذمہ داری ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی بات اہم نہیں۔“

”تو یہ بات ہے۔“ وہ اطمینان کا گہرا سانس لے کر بولا۔ ”تو آپ اس لیے دامن بچا رہی تھیں۔ مگر یہ تو ایسی بات نہیں ہے کہ اس کے لیے آپ اپنی ساری خوشیاں داؤ پر لگا دیں۔ آپ میری زندگی میں آ جائیے۔ آپ مجھے ہمیشہ اپنے برابر کھڑا ہوا پائیں گی سروش!“

”نہیں ہرگز نہیں۔ میں احسانوں کا یہ بارِگراں اٹھا کر زندگی نہیں گزار سکتی۔“

سروش نے قطعی لہجے میں کہا اور اٹھ کر جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

عاصم نے بھی اسے نہیں روکا۔



راجہ گھر آ گیا تھا اور پوری طرح سے تندرست تھا۔ سروش کی بھی جان میں جان آئی۔ ورنہ ہاسپٹل میں تو ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ عاصم اب آیا کہ تب آیا۔ ہر آہٹ پر ہر دستک پر اسی کا گمان ہوتا تھا۔ وہ اپنے آپ میں ہی جھنجھلا جاتی۔ بھلا وہ عاصم کے بارے میں کیوں سوچنے لگی تھی۔ اسے تو اس خوبصورت غلطی کا اعادہ پھر نہیں کرنا تھا۔ جس نے اسے اپنی ہی نظروں میں حقیر کر دیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی اپنے خاندان کے نام کر دی تھی۔ اب اسے کسی اور سے کوئی غرض نہیں تھی۔

زندگی اپنے معمول پر آ گئی تھی۔ بہت سے ایسے کام جو راجہ کی بیماری کی وجہ سے ملتوی ہوتے رہے تھے۔ سروش انہیں بھی ساتھ ساتھ نمٹا رہی تھی۔ ایک روز خریداری



کے بعد ہاتھوں میں بیگ اٹھائے وہ فٹ پاتھ پر کسی سواری کے انتظار میں کھڑی تھی۔ کہ اسے محسوس ہوا۔ جیسے کسی نے اس کا نام لے کر اسے پکارا ہے۔

اس نے آواز کی سمت دیکھا۔ ایک لمبی کار کے آدھ کھلے دروازے میں سے ایک ماڈرن سی خوبصورت لڑکی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سروش اسے پہچانتی نہیں تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر وہ بولی۔ ”میں تمہیں بلا رہی ہوں۔“

سروش قریب چلی گئی۔ وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی انگریزی میں بولی۔ ”تم ہو سروش صفدر علی!“

سروش نے سیاہ چشمہ اتار کر ہاتھ میں لیا اور بولی۔ ”میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”میں حمیرا انجم الدین ہوں۔“ اس کا لہجہ پرغرور تھا اور انداز میں ایک چبھتا ہوا سا تفاخر تھا۔ اس کی تنقیدی نگاہیں اسے سر سے پیر تک دیکھ رہی تھیں۔

سروش ابھی تک اس کا مقصد نہیں سمجھ سکی تھی۔ اور سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب تک رہی تھی۔ اس لڑکی نے سر کو کئی بار جنبش دی۔ ”اچھا۔ تو تم ہو سروش! دیکھنے میں تو بڑی سیدھی سادی لگتی ہو۔“ اس کا انداز تحقیر آمیز تھا کہ سروش ہکا بکا رہ گئی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اس نے برہمی سے کہا۔

”مطلب؟“ اس نے تمسخر سے دہرایا۔ ”بہت بھولی بن رہی ہو۔ ہیں.....“

”تمیز سے بات کرو۔“ سروش نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

”واہ..... بڑے مزاج ہیں۔“ اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ ”یہی ادائیں دکھاتی ہو۔ عاصم کو بھی۔“

سروش سناٹے میں رہ گئی۔ یہاں عاصم کا کیا تذکرہ تھا؟

حمیرا نے کمان ایسے ابرو اچکائے۔ ”عاصم میرا منگیتر ہے۔ سمجھیں تم۔ اس کا

پیچھا چھوڑ دو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

سروش کو اپنی سماعت پر اعتبار نہیں آیا۔ اس کے ساتھ کبھی کسی نے اس انداز میں بات نہیں کی تھی۔ وہ پوری جان سے جل کر بولی۔ "عاصم تمہارا منگیتر ہے یا جو کچھ بھی ہے۔ اسی سے بات کرو۔ راہ چلتے تمہیں مجھ سے بدتمیزی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سروش اتنا کہہ کر تیزی سے آگے نکل آئی۔ لیکن اس کا خون کھول رہا تھا۔ ایسی توہین تو کبھی کسی نے نہیں کی تھی۔ اسے رہ رہ کر عاصم پر ہی غصہ آ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی اتنی بے عزتی ہوئی تھی۔ عاصم کی اصلیت بھی کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ جو اتنی خوبصورت منگیتر کے ہوتے ہوئے اسے فریب دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

گھر آ کر بھی وہ پریشان ہی رہی۔ دھیان کسی طرف ہی نہیں تھا۔ اس لڑکی کی توہین آمیز باتیں۔ تحقیر آمیز نگاہیں۔ اسے بھولتی ہی نہیں تھی۔ وہ لڑکی چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔ وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔

اگر وہ گھر آ جاتی یا کالج پہنچ جاتی۔ تو وہ کس کس کے سامنے اپنی صفائی پیش کریگی۔ کس کس کو مطمئن کرے گی۔

عاصم نے اسے کچھ مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ عامر کی بے وفائی کے زخم پھر ہرے ہو گئے تھے۔ عاصم بھی تو اس کی طرح اپنی منگیتر کو دھوکا دے رہا تھا۔ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

اس بات کو ابھی کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ وہ کچھ ہو گیا۔ جس سے وہ ڈر رہی تھی۔ حمیرا انجم الدین کے انتقام کی آگ اس تک آ پہنچی تھی۔ اسے بغیر وجہ بتائے کالج سے فارغ کر دیا گیا تھا۔ اسے پتہ چلا تھا کہ حمیرا انجم الدین کے والد اس کے کالج کے بورڈ آف ڈائریکٹر میں شامل تھے۔ سروش کچھ بھی نہیں کر سکی۔ لیکن وہ کم ہمت نہیں تھی۔ اس لڑکی نے آغاز کر دیا تھا۔ تو وہ اس کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار تھی۔



اس نے گھر میں کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا تھا کہ اسے ملازمت سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ وہ ٹیوشن پڑھا کر گزارا کرنے لگی۔ اس نے ٹائپ کرنا بھی سیکھ لیا۔ لیکن کام نہیں بنا۔ وہ کہیں درخواست دیتی۔ کہیں انٹرویو۔ اور کہیں ٹیوشن پڑھاتی۔ گھر کا گزارا جیسے تیسے ہو رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر عاصم پر غصہ آتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اس لڑکی کے انتقام کا نشانہ بنی تھی۔ وہ اسے کھری کھری سنانا چاہتی تھی۔ لیکن اتفاق ایسا تھا کہ اس کا کہیں سامنا نہیں ہوا۔



وہ انٹرویو دینے چلی آئی تھی۔ لیکن جب اس نے تیز طرار، خوبصورت اور الٹرا ماڈرن لڑکیوں کو دیکھا تو بے حد بددل ہوئی۔ اسے اپنی ناکامی کا یقین ہوگیا۔ اس طرح پہلے بھی کئی بار ہوا تھا۔ کہ کوئی خوبصورت اور ماڈرن لڑکی منتخب کر لی گئی تھی۔ اور وہ یونہی ناکام واپس آئی تھی۔

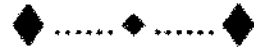
سادہ سی سرمئی ساڑھی میں وہ خود کو دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف پا رہی تھی۔ ان کی تمسخر اڑاتی ہوئی نگاہوں سے وہ جز بز ہو رہی تھی اپنا نام سن کر وہ جھجکتی ہوئی اٹھی اور اس کمرے میں پہنچی جہاں انٹرویوز ہو رہے تھے۔ ڈائریکٹر صاحب کوئی فون کر رہے تھے۔ سروش نے ایک اچٹتی سی نگاہ ان پر ڈالی اور ٹھٹک گئی اس نے پھر غور سے دیکھا اس کی روح آنکھوں سے سمٹ آئی اس کے سامنے عاصم تھا۔

''جو قدرے حیرت سے کہہ رہا تھا مس سروش آپ یہاں۔''

سروش اسے اس طرح اچانک غیر متوقع طور پر دیکھ کر گنگ سی ہوگئی تھی۔ اسے ایک ایک بات یاد آ گئی تھی وہ غصے سے کانپ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ وہ انتہائی نفرت انگیز الفاظ استعمال کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس کی ویسی ہی توہین کرنا چاہتی تھی جیسی کہ اس کی اپنی ہوئی تھی۔ وہ دانت پیس کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سامنے کا دروازہ کھلا اور ایک لڑکی اندر آئی دونوں نے بیک وقت دیکھا آبِ رواں ایسی باریک ساڑھی میں قیامت بنی ہوئی حمیرا انجم الدین ان کے سامنے تھی



اس کے سرخی مائل بھورے بال بڑے خوبصورت انداز میں سنورے ہوئے تھے۔ اس سے شدید نفرت کے باوجود سروش کو احساس ہوا کہ وہ بے حد حسین لگ رہی ہے اس نے غیر ارادی طور پر عاصم کی طرف دیکھا کہ وہ کس انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا ہے لیکن اس کے چہرے پر بیزاری اور اکتاہٹ تھی۔



سروش دانستہ طور پر خاموش رہی وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ آج عاصم کا پول کھلنے والا تھا۔ وہ اس کے غصے اور جھنجھلاہٹ سے محظوظ ہوئی وہ بڑی خشکی سے حمیرا سے کہہ رہا تھا حمیرا میں نے آپ سے فون پر بھی کہا تھا کہ آج میں مصروف ہوں۔

''ہوں۔'' اس نے ایک ادائے دلربایانہ سے عاصم کی طرف دیکھا ایسے میں سروش کو اس کی آنکھوں کی بے پناہ خوبصورتی کا احساس ہوا۔ نہ جانے کیوں اسے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ وہ اس معمولی سی سرمئی ساڑھی اور بے احتیاطی سے بنائے ہوئے جوڑے میں بالکل اچھی نہیں لگ رہی۔

حمیرا نے بڑی نزاکت سے ہاتھ عاصم کے شانے پر رکھا۔ ''عاصم! میں تمہاری مصروفیت دیکھ رہی ہوں۔ عاصم نے بیزاری سے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا دیا۔ وہ سروش کی وجہ سے کچھ جھینپ رہا تھا شاید اسی لئے جیسے اس سے پیچھا چھڑانے کو بولا۔ ''حمیرا آپ اس وقت تشریف لے جائیے پلیز!''

''کیوں؟'' وہ نخوت سے سر اٹھا کر بولی۔ عاصم چڑ گیا۔ '' دیکھتی نہیں ہیں آپ کہ مجھے یہ انٹرویوز بارہ بجے تک ختم کرنے ہیں اور باہر بھی پندرہ بیس خواتین اور بھی موجود ہیں۔

"ہاں......ہاں......" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "یہ بھی تمہیں انٹرویو دے رہی ہیں نا۔"

سروش کو اس کا انداز سخت ناگوار گزرا لیکن وہ پھر بھی خود پر قابو پائے رہی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ عاصم اسے کیا جواب دیتا ہے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس کے آنے سے پریشان ہوا ہے۔ اس کے چہرے پر غصے کی صاف جھلک تھی۔ وہ تلخی سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ کیا کہنا چاہتی ہیں حمیرا کیا مطلب ہے آپ کا؟"

وہ اک عجیب سی ہنسی ہنس کر بولی۔ "میں جو کہنا چاہتی ہوں وہ تم جانتے ہو۔"

"پلیز حمیرا! میں کوئی تلخی پیدا نہیں کرنا چاہتا بہتر ہوگا کہ تم اس وقت چلی جاؤ۔"

عاصم سپاٹ لہجے میں بولا۔ تو سروش کو یقین ہوگیا کہ وہ اسی کی منگیتر ہے۔ وہ بھید کھل جانے کے خیال سے اسے کسی نہ کسی طرح ٹالنا چاہتا ہے۔ اسے حمیرا بالکل بے قصور معلوم ہوئی۔ وہ ایک شکست کھائی ہوئی لڑکی تھی وہ اپنی محبت کیلئے کچھ بھی کر سکتی تھی۔

اب خاموش رہنا محال تھا۔ وہ بات صاف کر لینا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے سنجیدگی سے کہا تاکہ عاصم بھی جان لے حمیرا صاحبہ! میں جا رہی ہوں آپ بڑے اطمینان سے اپنے منگیتر سے بات کیجئے۔ منگیتر کا لفظ اس نے جان بوجھ کر استعمال کیا تھا۔

"حمیرا کا چہرہ متغیر سا ہوگیا تھا۔ عاصم نے ایک دم اٹھ کر کہا ٹھہر جائیے سروش۔

کس نے کہا ہے آپ سے کہ یہ میری منگیتر ہے کس نے بتایا ہے آپ کو؟"

سروش نے بے یقینی سے دونوں کی طرف دیکھا حمیرا نے جلدی سے کہا عاصم جب ایسا ہونا ہی ہے تو کہہ دینے میں کیا ہرج ہے تم تو یونہی غصے میں آ رہے ہو



خوامخواہ۔"

"نہیں ہوگا یہ بالکل نہیں ہوگا اور کبھی نہیں سمجھیں آپ وہ انتہائی غصے سے بولا۔ "آپ تشریف لے جا سکتی ہیں۔"

سروش بڑی حیرت سے کبھی ایک کی طرف دیکھ رہی تھی تو کبھی دوسرے کی طرف حمیرا نے بھنا کر کہا "سروش تم جو کچھ چاہتی ہو نا کبھی نہیں ہوگا۔ تم بھی یہ سمجھ لو

اسے خود سے مخاطب دیکھ کر وہ چونک گئی عاصم نے سختی سے کہا حمیرا تمہیں یہاں اس آفس میں کسی معزز خاتون کی توہین کرنے کا حق نہیں تم فوراً یہاں سے چلی جاؤ نہ جانے کیوں عاصم کے لہجے کی اس تلخی سے سروش کو تفاخر کا احساس کیوں ہوا۔ اس نے غیر ارادی طور پر سر اٹھا کر حمیرا کی طرف دیکھا وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی اس نے دانت پیس کر دونوں کی طرف دیکھا۔ "میں سمجھ لوں گی تم دونوں سے" کھٹاک سے دروازہ دھکیلتی وہ باہر نکل گئی۔

"عجیب احمق لڑکی ہے۔" عاصم نے سر جھٹک کر جیسے خود سے کہا پھر اک گہرا سانس لے کر اس سے بولا۔ "یہ آفت کی پرکالہ کہیں آپ کو ملی میں پہلے' عجیب شگوفہ چھوڑا ہے انہوں نے۔"

سروش جھنجلا گئی۔ وہ کس اطمینان سے باتیں کر رہا تھا اور وہ اس کی وجہ سے مصیبت میں پھنسی تھی۔ اسے پھر عاصم پر غصہ آگیا تلخی سے بولی۔ "جی ہاں مجھے ان سے شرف ملاقات حاصل ہو چکا ہے یہ انہی کی عنایت ہے کہ میں جگہ جگہ ملازمت کیلئے خوار ہو رہی ہوں اور یہ صرف آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ عاصم صاحب صرف آپ کی وجہ سے وہ لڑکی میری دشمن بنی ہے۔ وہ آپ کی منگیتر ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور بقول اس کے میں آپ کے ساتھ فلرٹ کرتی ہوں۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"اوہ! عاصم نے سر پکڑ لیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس قدر گر سکتی ہے۔

سروش میں بہت شرمندہ ہوں مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ اس کا ہدف انتقام بنیں۔"

"مجھے کیا فائدہ اس ندامت کا۔" سروش نے غصے سے کہا آپ کی یہ ندامت اس توہین کی تلافی نہیں کرسکتی جو اس کے ہاتھوں میری ہوئی ہے۔ مجھے اب بھی اس کے ارادے اچھے نظر نہیں آتے۔"

"آپ حق بجانب ہیں سروش!" عاصم نے ندامت سے کہا میں اور کچھ نہیں تو اتنا ضرور کروں گا کہ آپ کی تقرری کے کاغذات ابھی جاری کردوں آپ یقین کریں آپ یہاں بالکل محفوظ رہیں گی وہ اب کچھ نہیں کرسکتیں۔"

"جی نہیں شکریہ!" اس نے حقارت سے کہا۔"میں کسی صورت آپ کے یہاں ملازمت نہیں کرسکتی ہوں مجھے اپنی عزت سب باتوں سے زیادہ عزیز ہے۔

"سروش پلیز! آپ ٹھنڈے دل سے سوچئے۔"

آپ کو ضرورت ہے۔" وہ سمجھوتے کے انداز میں بولا۔

رہنے دیجئے آپ اپنی ہمدردیاں اور آئندہ مجھ سے آپ کو کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ میں ایک شریف خاندان کی لڑکی ہوں۔ ہمارے ہاں یہ سکینڈل ہنسی کھیل نہیں زندگی اور موت کا سوال بن جاتے ہیں۔"

"سروش میری بات تو سنئے۔" وہ متاثر ہوکر بولا لیکن وہ ان سنی کرتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی۔



ادھ پون گھنٹے سے وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی بور ہورہی تھی۔ وہ بیگم صاحبہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ آج اک ٹیوشن کا اشتہار دیکھ کر وہ یہاں آئی تھی۔



لیکن بات بنتی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ امید کی کرن اندھیروں میں کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ سارے راستے جیسے بند ہوگئے تھے۔ ساری راہیں ناکامی کی بند گلی میں جاکر ختم ہوتی تھیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہوگا۔

عاصم کی فرم کی طرف سے اس کی تقرری کا لیٹر آیا تھا لیکن وہ نہیں گئی۔ وہ حمیرا سے خوفزدہ ہوگئی تھی۔ وہ اس کے اندھے انتقام کا نشانہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ وہ عاصم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دو تین ٹیوشنز اور لے لے تاکہ گھر میں کچھ تو سہولت ہو۔ اسی لئے وہ آج یہاں آئی تھی اور اس وسیع وعریض ڈرائنگ روم کی سجاوٹ دیکھ دیکھ کر وقت گزار رہی تھی۔

دروازے پر آہٹ ہوئی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ بھاری بھرکم سی بیگم صاحبہ خراماں خراماں شریف لارہی تھیں۔ وہ سنبھل کر خود کو ان سے بات کرنے کیلئے تیار کرنے لگی لیکن وہ بیگم صاحبہ جو اس وسیع ڈرائنگ روم میں ٹہلتی ہوئی داخل ہوئی تھیں کمرے کے وسط تک آکر اچانک بجلی کی طرح لپکیں اور سروش کو بازوؤں میں دبوچ لیا سروش اس اچانک افتاد سے بوکھلا گئی۔ اے سروش کی بچی تو کہاں تھی۔



سروش چونک گئی۔اس بھاری بھرکم وجود کو تو شاید پہچاننے میں اسے دیر لگتی۔لیکن یہ آواز اور انداز نیلم کے سوا کسی اور کے نہیں ہو سکتے تھے۔اس کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو امنڈ آئے اور وہ اس کے گلے سے لگ گئی۔یہ اچانک ملاقات اتنی پرلطف اور سنسنی خیز تھی کہ دونوں اس کی سرشاری بڑی دیر تک اپنے رگ وپے میں محسوس کرتی رہیں۔دونوں جلد جلد باتیں کرنے کی دھن میں ایک دوسرے کی باتیں کاٹ کاٹ کر بول رہی تھیں اتنے سالوں کی باتیں وہ چند لمحوں میں ایک دوسرے کو بتا دینا چاہتی تھیں۔

نیلم نے خوشی سے چمکتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔لیکن سروش تجھے کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں۔میں جب سے واپس آئی ہوں تیرے بارے میں سوچتی رہتی تھی ایک دو پرانی کلاس فیلوز سے معلوم بھی کیا لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا۔"

"سچ سچ بتا دوں۔" سروش نے ہونٹ کاٹ کر کہا۔

"بالکل سچ سچ۔" نیلم نے دہرایا۔

"میں یہاں ٹیوشن کا پتہ کرنے آئی تھی۔کسی نے بتایا تھا کہ تمہیں بچی کیلئے ٹیوٹر کی ضرورت ہے۔" نیلم ساکت سی ہو گئی۔پھر قدرے پریشان ہو کر بولی۔لیکن تجھے۔تجھے اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت ہے نا نیلم۔اب حالات وہ نہیں رہے۔ابو کا انتقال ہو گیا ہے گھر کی ساری ذمہ داری اب مجھ پر ہے۔" سروش نے بتایا۔



"اوہ...... بہت افسوس ہے۔" نیلم نے تاسف کا اظہار کیا۔"لیکن......لیکن سروش! وہ تمہارا منگیتر عامر۔"

"وہ باہر چلا گیا تھا۔اس نے وہیں دل لگا لیا۔اس بات کو تو ایک زمانہ بیت گیا ہے۔"

پھر اتنے سے وقت میں یہ کیا کچھ ہو گیا ہے۔" نیلم کی آواز رندھ گئی۔

"نہ وہ دن رہے ہیں، نہ راتیں۔سبھی کچھ بدل گیا۔میں۔میں نہیں رہی۔کچھ اور بن گئی ہوں۔" وہ کتنی ہی دیر باتوں میں لگی رہیں۔دنیا جہاں کی باتیں۔دکھ سکھ کی باتیں۔سروش کو گہری اپنائیت کا احساس ہوا۔اس کا دل اطمینان سے بھر گیا۔اس کی روح کی بے چینی کم ہو گئی۔نیلم کے ہونے سے اسے یوں لگا جیسے وہ برسوں بعد کسی سے اپنے دل کی بات کہہ پائی ہے۔

اس نے گھڑی دیکھی تو گھبرائی۔دوسری ٹیوشن پر جانے کا وقت ہو چلا تھا۔اس نے چلنے کا ارادہ کیا تو اسے یاد آیا کہ اس نے نیلم سے عدنان کے بارے میں تو کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔اپنی اس بھول پر وہ پشیماں سی ہو کر بولی۔"ارے دیکھو نیلم۔کتنی بری بات ہے۔باتوں میں ایسے لگے کہ عدنان بھائی کے بارے میں پوچھا ہی نہیں ان کی سناؤ۔وہ کیسے ہیں؟"

نیلم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔اوہ حضرت کی بھلی پوچھی۔"

"کیوں۔خیریت!!! سروش نے پوچھا۔

"آج ہی اس سے لڑائی ہوئی ہے اور معرکے کی۔وہ پھر ہنس پڑی۔

"ارے۔اچھا۔ابھی تک وہی سلسلہ ہے۔سروش نے حیرت سے کہا۔

"وہی سلسلہ ہے۔کبھی ٹوٹا ہی نہیں۔اور آج تو لڑائی ہوئی ہے بڑے معرکے کی۔بکتا جھکتا گیا ہے آفس۔"

"پھر......" سروش نے ہنس کر کہا۔

"پھر یہ کہ ٹھہرو۔ ذرا فون کرتے ہیں اسے۔" نیلم نے نمبر ملا کر ریسیور کان سے لگایا۔ اور بولی "ہیلو۔ میں مسز عدنان بول رہی ہوں۔" پھر ریسیور پر ہاتھ رکھ کر بولی۔" کہہ رہا ہے میں کسی مسز عدنان کو نہیں جانتا پھر ریسور میں بولی۔ "بہت ضروری کام ہے۔ جلدی سے آ جاؤ۔ نہیں آؤ گے تو پچھتاؤ گے۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور سروش سے بولی۔ شٹ اپ شٹ اپ چیخ رہا ہے۔"

پھر اس کی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ دھڑ سے دروازہ بند ہوا اور عدنان کھٹ پٹ کرتا اندر آیا۔

"کیا بک بک لگا رکھی تھی فون پر۔ ابھی کچھ کسر باقی رہ گئی تھی۔" نیلم نے اسے ٹوکا۔ ذرا تمیز سے بات کرو مسٹر۔ گھر میں کسی آئے گئے کا لحاظ کر لیا کرو۔" نیلم نے اسے ٹوکا۔ "کون آیا ہے؟؟" وہ جھلایا۔

"کچھ تمہیں نظر بھی آئے۔ نیلم نے ایک جانب کھڑی ہوئی سروش کی جانب اشارہ کیا۔

عدنان نے اس کی طرف دیکھا اور پہچان کر چلایا۔ "ارے۔ آپ ہیں سروش۔ وہ دو ہی قدموں میں قریب آ گیا۔" یقین نہیں آ رہا کہ آپ واقعی سروش ہیں۔ جب سے یہاں آئے ہیں یہ نیلم کی بچی آپ کو ہی تلاش کرتی رہی ہے۔" عدنان نے مسرت سے اس کے شانے تھپتھپائے۔ ہم دونوں آپ کو بہت یاد کیا کرتے تھے۔ آپ بتائیے۔ کبھی آپ کو بھی ہمارا خیال آیا۔ کبھی آپ نے بھی ہمیں یاد کیا۔"

اس کے اس تپاک سے نازش کھل اٹھی۔ وہ نیلم کی بچی سروش کی کوئی خاطر تواضع بھی کی ہے یا نہیں۔"



"شکریہ عدنان بھائی! اب تو میں چلوں گی۔ مجھے آئے ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے۔ سروش چلنے کیلئے اٹھی کچھ دیر تو بیٹھتیں آپ۔" وہ بولا۔

"میں انشاء اللہ! پھر آؤں گی۔ اس وقت تو اتنا ہی بہت ہے کہ آپ دونوں خوش ہیں۔ میرے پھر آنے تک کوئی لڑائی نہ کیجئے گا۔ سروش نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ دونوں بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گئے۔



ایسے دگرگوں حالات کا اچانک بدل جانا بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ عدنان نے اپنے آفس میں اس کیلئے ایک جگہ نکال لی تھی۔ وہ اسے بہنوں کی طرح چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ کام کرتے ہوئے تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔ مالی پریشانیوں میں کافی حد تک کمی ہو گئی تھی۔ بے سکونی طمانیت میں بدل گئی تھی۔ مشکلات کے دن اب کم رہ گئے تھے۔ راجہ کا رزلٹ آنے والا تھا۔ عدنان نے یقین دلایا تھا کہ اس کیلئے ملازمت کا کوئی انتظام ہو جائے گا۔

نیلم کی بیٹی کنول کی سروش سے بڑی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ کبھی مصروفیت کے سبب ان کے گھر نہ جا سکتی تو وہ فون پر شکایت کرتی۔ وہ اس کی بھولی معصوم باتوں میں کھو کر زندگی کی تلخیاں بھول جاتی۔ اس نے اپنی سالگرہ پر بڑے اصرار سے بلایا تھا۔ زیادہ تر تو اس کے ہم عمر بچے ہی مدعو تھے لیکن نیلم نے اس سے کہا تھا کہ وہ آ کر ذرا تیاری کروا دے۔

وہ کنول کیلئے پیارا سا تحفہ لیکر ان کے یہاں پہنچی۔ تو کنول یہاں وہاں چہکتی پھر رہی تھی۔ عدنان مزے سے راکر پر جھول رہا تھا اور وقفے وقفے سے نیلم کو تنگ بھی

کر رہا تھا۔ نیلم نوکروں کے ساتھ ملکر ہال کو رنگین سجاوٹوں اور غباروں سے سجاتی ہوئی ہانپ رہی تھی سروش کو دیکھا تو سبھی کھل اٹھے۔ کنول اس سے لپٹ گئی۔ نیلم بے دم ہو کر صوفے پر ڈھیر ہوگئی۔

''لو۔ اب یہ بکھیڑا تمہی سنبھالو۔ میں تو صبح سے ایک ٹانگ پر کھڑی ہوں۔ اور انہیں دیکھو نواب صاحب کو ذرا بھی جو ہاتھ پیر ہلایا ہو۔''

سروش نے نوکروں کے ساتھ مل کر جلدی جلدی کام نپٹایا۔ تب تک نیلم نے کنول کو تیار کروادیا۔ مہمانوں کے آنے تک سب تیاری مکمل تھی۔ کنول نکھرے ہوئے گلابی فراک میں تتلی سی لگ رہی تھی۔ تالیوں کے شور میں کیک کاٹا گیا۔ نیلم اور عدنان نے اس کے ساتھ کیک کاٹ۔ وہ چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر سروش کی طرف لپکی۔ ''سب سے پہلے آنٹی۔'' اس نے چہک کر کہا۔

سروش نے جھک کر منہ کھولا۔ کنول نے کیک اس کے منہ میں رکھا اور اس کے رخسار پر پیار کرلیا۔ اسی وقت کسی کی آواز سنائی دی۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو ڈیئر بے بی کنول۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو ینگ لیڈی۔'' سب نے پلٹ کر دیکھا سروش کچھ الجھی۔ کچھ پریشان ہوئی۔ کنول! انکل آگئے۔ انکل آگئے کہتی ہوئی اس کی طرف لپکی۔ اس نے جھک کر اسے گود میں اٹھالیا اور میز کے قریب آکر بولا۔ ''آداب بھابی! مجھے تو آپ نے خبر ہی نہیں کی اور اب جو کنول اپنا تحفہ مجھ سے مانگے گی تو میں کیا جواب دوں گا۔''

کنول ٹھٹکی۔ ماما۔ آپ نے انکل کو کیوں نہیں بتایا تھا؟''

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہارے انکل ننھے سے بچے ہیں۔ نیلم نے ہنس کر کہا۔

''خیر ننھے بچوں کے علاوہ یہاں کافی بڑے بڑے بچے بھی نظر آرہے ہیں۔''

عاصم نے سروش کی جانب دیکھ کر شرارت سے کہا۔



نیلم نے تعارف کرانا چاہا۔ ''یہ میری بہت پیاری دوست ہے۔ بلکہ فیملی ممبر ہی سمجھئے۔''

''بہت خوشی ہوئی آپ سے ملکر۔'' وہ بالکل انجان بن کر بولا۔

سروش بمشکل مسکرائی۔ وہ اسے زہر لگ رہا تھا۔ اسی لئے وہ کنول کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے ہٹ گئی۔ چائے وغیرہ کے دوران عاصم، عدنان سے باتیں کرتا رہا۔ پھر دونوں اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ سروش نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اس کی نگاہوں کو وقفے وقفے سے خود کو چھوتے ہوئے محسوس کررہی تھی۔ شام بڑی مصروف تھی۔ بچوں کو مختلف کھیل کھلاتے کھلاتے وہ خود بھی کچھ تھک سی گئی تھی۔ پھر بچوں کی آیائیں اور ڈرائیور انہیں لینے کیلئے آگئے۔ سروش نے ان میں تحفے بانٹے اور انہیں گیٹ تک چھوڑ کر آئی۔

کنول نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ اچھلتی ہوئی اسے واپس ہال میں لے آئی۔ سروش قالین پر ہی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ کنول میز پر سے تحفے اٹھا اٹھا کر اس کے پاس رکھنے لگی۔ اور خوشی سے کھلکھلاتے ہوئے بولی۔ ''آنٹی۔ آنٹی۔ اب تحفے کھولکر دیکھتے ہیں۔''

''ابھی ٹھہرو کنول! ماما کو آ لینے دو۔ سرروش نے اسے ٹالنے کو کہا۔

''نہیں آنٹی! ہم تو ابھی دیکھیں گے۔'' وہ ضد کرنے لگی۔

دروازے میں سے عاصم نے جھانکا۔ کنول بھاگی ہوئی اس کے پاس پہنچی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے آئی جہاں سروش قالین پر ننگے پاؤں بے تکلفی سے بیٹھی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے کاسنی دوپٹہ درست کرتے ہوئے اپنے پیر سمیٹ لئے اس کے چہرے پر ناگواری کا سایہ سا لہرا گیا۔

کنول نے بچوں کے سے اکھڑ پنے سے عاصم کا ہاتھ کھینچا۔ ''انکل! انکل بیٹھئے نا۔ ہم سارے تختے دیکھتے ہیں۔''

''اپنی آنٹی! سے پوچھو۔ ہم بیٹھ جائیں۔'' وہ کھڑے کھڑے بولا۔

کنول اس کا ہاتھ چھوڑ کر سروش کے شانے پر جھول گئی۔ ''آنٹی! آنٹی! انکل بیٹھ جائیں۔''

''مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔'' نازش نے اسے علیحدہ کرتے ہوئے آہستگی سے کہا کہ کنول نہ سن سکے۔

وہ ہنس پڑا۔ ''آپ کو دلچسپی نہ ہو۔ مجھے تو ہے۔ وہ وہیں قالین پر بے تکلفی سے بیٹھ گیا۔ سروش نے تیوری چڑھا کر اس کی طرف دیکھا۔ تو وہ بولا اس طرح کیوں گھور کر دیکھ رہی ہیں مجھے۔ میں نے ایسا کیا قصور کر دیا ہے۔''

سروش نے غصے سے دانت پیسے۔ بس آپ میرے سامنے نہ آیا کریں۔ میں...... میں۔'' کنول کے خیال سے اس نے بات ہونٹوں پر ہی روک لی۔ اور جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔

عاصم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''اپنی بات مکمل کیجئے۔ آپ کیا کہنے والی تھیں۔''

''مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور تیز قدموں کے ساتھ ہال سے باہر نکل آئی۔

نیلم اسی طرف آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی۔ ''چلو آؤ سروش۔ کھانا لگ گیا ہے۔'' کھانے کی میز پر عاصم بھی موجود تھا۔ لیکن اس کی طرف بالکل دھیان نہیں دے رہا تھا۔ عدنان کے ساتھ باتوں میں ہی لگا ہوا تھا۔ سروش کو اس کی موجودگی بھلی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ جلد یہاں سے دور چلی جانا چاہتی تھی اس ماحول سے اس فضاء سے، اس گھر



سے جہاں عاصم اس کے مقابل بیٹھا تھا۔

نیلم نے بھی اس کی بیزاری کو محسوس کیا۔ لیکن وہ اسے تھکاوٹ پر محمول کر رہی تھی۔ جیسے تیسے کھانا ختم ہوا سروش نے کافی بھی نہیں پی۔ اور گھر چلنے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر یہ دیکھ کر وہ سخت پریشان ہوئی کہ عاصم بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا اور اس نے بڑی بے تکلفی سے اسے گھر تک چھوڑنے کی پیشکش کر دی۔

غالباً عدنان کا وہ قریبی دوست تھا۔ اس لئے اس نے بھی کوئی پس و پیش نہیں کی بلکہ شکریہ ادا کرنے لگا کہ وہ اس وقت ڈرائیونگ کے موڈ میں نہیں تھا۔ سروش عجیب مشکل میں گرفتار ہوگئی۔ وہ نہ انکار کر سکتی تھی او نہ عاصم کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔ مگر مجبور تھی نیلم اور عدنان دونوں انہیں گاڑی تک چھوڑنے آئے۔ سروش پچھلا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی عاصم نے گاڑی نیلم کے گھر سے باہر نکالی۔ اور کچھ آگے جا کر اس نے گاڑی کی رفتار کم کی اور پیچھے پلٹ کر بولا۔ سروش! آگے آ جائیے پلیز۔''

''مجھے آپ کی ضرروری باتیں سننے کا کوئی شوق نہیں۔'' سروش خشکی سے بولی۔

''آپ بیکار ضد کر رہی ہیں۔ بچوں کی طرح سے۔'' وہ بولا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گاڑی سے باہر نکلا۔ اس نے پچھلا دروازہ کھولا۔ سروش سراسیمہ سی ہو کر پیچھے ہٹی۔ مگر عاصم نے جھک کر اس کا بازو پکڑا اور ایک بار میں ہی اسے گاڑی سے باہر نکال لیا۔ پھر اگلا دروازہ کھل کر اسے سیٹ پر دھکیلا اور دروازہ لاک کر دیا۔

سروش کیلئے یہ سب غیر متوقع اور ناقابل برداشت تھا۔ وہ فوراً ہی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ اور اس کی جانب دیکھ کر شریر سے لہجے میں بولا۔

''مجھے اپنی اس حرکت پر ندامت ہے۔ لیکن یہ ناگزیر تھی۔''

سروش کو وہ اپنا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ اتنی بے بس اور مجبور تو نہیں تھی کہ وہ جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کرے۔ اسے فریب دیتا رہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ اسے غصہ ضبط کرنا محال ہو گیا۔ اس نے طیش میں اس کے کوٹ کی آستین گھسیٹ ڈالی اور بھرے ہوئے گلے کے ساتھ بولتی چلی گئی۔ آخر آپ نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔ یہ فریب کسی اور دیجئے۔ یہ ڈرامے کہیں اور جا کر کیجئے۔

عاصم نے نہ اپنے کوٹ کی آستین چھڑائی اور نہ اسے کچھ کہنے سے روکا۔ وہ چپ ہوئی۔ تو وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''سروش! دلوں کے خوبصورت جذبوں کو ڈرامہ نہیں کہتے۔ میں تو صرف آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ کو تقرری کا لیٹر بھیجا گیا تھا مگر آپ نے جوائن نہیں کیا۔''

''کیوں......؟ کیا ابھی آپ کی تسلی نہیں ہوئی۔ آپ مجھے اسی لڑکی کے انتقام کا اور نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ جو خود کو آپ کی منگیتر کہتی ہے۔ پلیز! آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ آپ ان سارے خوبصورت جذبوں کو لے کر میری زندگی سے نکل جائیں۔''

''یہ تو نہیں ہو سکتا سروش! وہ اپنی بات پر زور دیتا ہوا بولا۔ پھر تھوڑا سا جھکا اور اپنا چہرہ اس کے چہرے کے برابر لایا اس نے لطیف سی سرگوشی کی۔

''سروش! میں تو آپ کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔ آپ کے ساتھ۔ صرف آپ کے ساتھ۔'' اس کی فراخ پیشانی سروش کی پیشانی کے ساتھ ہلکے سے چھو گئی۔

سروش جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ اور سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''عاصم صاحب! مجھے آپ کی ان اداکاریوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میں۔

''یہ اداکاری نہیں ہے سروش!'' عاصم نے پرزور لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔



''اداکاری تو آپ کر رہی ہیں۔ لیکن آپ اتنی اچھی اداکارہ نہیں ہیں کہ اپنے دل کی اندرونی کیفیات کو چھپا سکیں۔ آخر کس نے آپ کے جذبات پر پہرے بٹھا دیئے ہیں؟ کون ہے جو آپ کو اقرار سے روکتا ہے؟ آپ زندگی کو اپنے لئے کیوں مشکل بنا رہی ہیں۔''

سروش نے رخ پھیر لیا۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ یہ عاصم اسے کیوں مشکل میں ڈال رہا تھا۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پریشانی سے سوچا۔ عاصم نے اس کے شانے کو ہلکے سے چھو کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''سروش! میں آپ کا انتظار کر سکتا ہوں۔ جب تک کہ آپ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوں اور اپنے بارے میں سوچیں۔ جب آپ خود کو تنہا محسوس کریں۔ جب آپ کو کسی اپنے کی ضرورت محسوس ہو تو آپ مجھے۔''

سروش نے اس کی بات کاٹی۔ ''اس توجہ کیلئے شکریہ عاصم صاحب! لیکن میں اپنے فیصلے خود کرتی ہوں۔ مجھے اپنے انداز میں زندگی گزارنے کا حق ہے اور یہ حق مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔''

''اچھا''۔ وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں۔ لیکن یہ بھی سن لیجئے کہ آپ کچھ بھی کہہ لیں۔ جتنے بھی دعوے کر لیں۔ ایک روز تو آپ کو اقرار کرنا ہی ہے۔ یہ رابطے، یہ جذبے اتنے کچے نہیں ہیں کہ پل بھر میں مٹ جائیں۔''

اس کے انداز میں نہ جانے کیا تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ دل کے مقفل دروازوں پر دستک دینے لگا تھا۔ اس نے گھبرا کر سوچا۔ کہ وہ بھی عامر کی طرح اسے اپنے سنہرے لفظوں کے جال میں قید کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر جیسے اس صورتحال سے پیچھا چھڑانا چاہا اور تلخی سے بولی۔

"عاصم صاحب یہ بیکار باتیں لے کر کیا آپ سڑک پر کھڑے ہو گئے ہیں۔ مجھے گھر پہنچائیے اور جائیے اپنا راستہ لیجئے۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر نہ جانے کیوں ہنس پڑا۔ اور لمبا سانس لے کر بولا۔

"تو آپ کو گھر جانا ہے۔ آئیے آپ کو پہنچا دیتے ہیں۔"

اس نے گاڑی کی رفتار تیز کی اور تھوڑی ہی دیر میں اس کے گھر تک آ گیا۔ دونوں کے درمیان جیسے خاموشی اور اجنبیت کی دیوار سی حائل ہو گئی تھی۔ سروش دروازہ کھول کر اترنے لگی۔ تو اس نے بڑی شائستگی سے اسے شب بخیر کہا اور گاڑی بڑھا لے گیا۔





عاصم سے پھر کہیں سامنا نہیں ہوا۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کی جانب سے کسی پیغام کا انتظار کرتی رہی۔ کئی بار اس کی آمد کا گمان ہوا۔ کئی بار اس کے فون کا دھوکہ ہوا۔ لیکن وہ تو کہیں نہیں تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زندگی میں کبھی اس کا گزر نہیں تھا۔

رفتہ رفتہ وہ بھی اس کا خیال ذہن سے جھٹکنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے دل پتھر کر لیا تھا۔ خود بے حس بن گئی تھی۔ اس نے اپنی سوچوں کو راہ دکھا دی تھی۔ اپنے خیالات کو بھٹکنے نہیں دیا۔ لیکن انجانے میں کبھی کبھی پتھر میں اک گداز سا پیدا ہو جاتا۔ احساسات اک خلش بن جاتے، سوچیں کہکشاں کے رستے ڈھونڈنے لگتیں۔

کچھ دیر کیلئے وہ کھو سی جاتی۔ لیکن پھر حقیقت کے تپتے ہوئے صحرا میں نکل آتی جس میں سرد ہوا کا کوئی خوشگوار جھونکا نہیں تھا۔

زندگی ویسی ہی مصروف اور معمول کے مطابق تھی۔ دفتر سے کام کر کے وہ گھر کی محبت بھری فضا میں آ جاتی تو اسے تازگی اور شگفتگی کا احساس ہوتا۔ یہاں وہ سارے تفکرات سے آزاد ہو کر اطمینان سے ہنس کھیل سکتی تھی۔ گرمجوشی محبت کی اس فضا میں کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ یہاں ساری محرومیاں، ساری اداسیاں، دور ہٹ جاتی تھیں۔ محبت، الفت و پیار کے سارے اپنائیت بھرے رشتے اسے یوں آغوش میں لے لیتے کہ وہ سب سے بے نیاز ہو جاتی۔ ایک روز اچانک نیلم کے یہاں گئی تو دیکھا دونوں ابھی ابھی کہیں باہر سے آئے ہیں۔ نیلم اسے دیکھتے ہی کھل اٹھی۔ اور حسب عادت گلہ

کرنے لگی کہ وہ بہت دنوں بعد آئی ہے۔ کنول بھی آ کر اس سے لپٹ گئی۔ عدنان نے قریب آ کر خوش طبعی سے کہا۔ "کیوں سروش میں کونسا ایکشن دوں کہ تمہیں پتہ چل جائے کہ میں بھی تمہارے آنے سے بہت خوش ہوں۔"

سروش کو ہنسی آ گئی۔ "نہیں نہیں عدنان بھائی بس بہت شکریہ مجھے تو یونہی پتہ ہے۔"

نیلم دھم سے قالین پر بیٹھ گئی۔ "بھئی بہت بور ہوئے۔ آج تو پورا ایک گھنٹہ فلائٹ لیٹ تھی۔"

"کسی کو سی آف کرنے گئے تھے کیا؟" سروش نے یونہی پوچھا۔

"ہاں گئے تھے۔ ان کے دوست کو سی آف کرنے۔ یہ عدنان صاحب تو عاصم کے ساتھ کھڑے منہ بسور رہے تھے اور میں خوامخواہ بور ہوتی رہی۔" نیلم نے برا سا منہ بنایا۔

سروش عاصم کے نام پر چونکی۔ اسے شک ہوا کہ کہیں عاصم تو نہیں چلا گیا۔ وہ خود کو تصدیق کرنے سے نہ روک سکی۔ اس نے بظاہر عام سے لہجے میں لاتعلقی سے پوچھا۔ "کیا عاصم کہیں باہر گئے ہیں؟"

"ہاں وہی۔" نیلم نے جواب دیا اور عدنان سے بولی۔ عدنان مجھے تو کوئی اور ہی چکر لگتا ہے۔ دیکھا تھا منہ پر کیسے بارہ بج رہے تھے۔ میں نے پوچھا واپسی کب تک ہے تو کہتا ہے بھابی دعا کیجئے کہ کوئی صورت ایسی نکل آئے کہ جلدی آ جاؤں۔"

نیلم نے اس کی نقل اتاری۔

تم نے بھی تو سب کے سامنے لحاظ نہیں کیا عدنان نے جل کر کہا۔ "وہیں پوچھنے بیٹھ گئی تھیں کہ کہیں کوئی دل ول کا معاملہ تو نہیں۔" اب کے عدنان نے اس کی نقل اتاری۔



"تو اور کیا دیکھا نہیں تھا کس طرح ہنس رہا تھا۔ کہہ رہا تھا بھابی آپ تو کچھ کچھ نجومی بھی ہیں۔"

وہ دونوں آپس میں الجھے ہوئے تھے اور سروش کے ذہن میں ایک ہی بات چکرا رہی تھی۔ اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ وہ اسی کی وجہ سے گیا ہے۔ اس کے دل و دماغ پر اک عجیب سی حزن و ملال کی کیفیت چھا رہی تھی۔ یوں جیسے نادانستگی میں کچھ کھو گیا ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہمیشہ کیلئے زندگی سے نکل گیا ہے۔ دنیا بڑی اجاڑ اور ویران سی معلوم ہو رہی تھی۔ نہ جانے کیوں جی چاہ رہا تھا کہ سب سے چھپ کر، سب سے الگ تھلگ تنہا بیٹھی منہ ڈھانپ کر اس قدر روئے کہ احساس مٹ جائے۔

وہ ساکت سی گم سم بیٹھی دل کی گہرائیوں میں اٹھنے والی ہوک سن رہی تھی۔ کوئی بار بار اس سے کہتا تھا کہ وہ اب کبھی نہیں آئے گا۔ اچانک نیلم نے اس کی طرف دیکھا اور اس کا شانہ ہلا کر بولی۔ "اے سروش! تم کیا سوچ رہی ہو؟ اس طرح کیوں گم سم بیٹھی ہو؟" سروش نے سر جھٹک کر اس کی طرف دیکھا اور پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے بولی۔ "نہیں کچھ بھی تو نہیں۔"



اس روز اس نے جی بھر کے سوگ منایا پھر شکستہ دل کی کرچی کرچی جوڑ کر اپنے وجود کے ٹکڑوں کو سمیٹ کر وہ پرسکون ہو گئی۔ ایسی پرسکون کہ بے سکونی دل میں کھب کھب جاتی تھی۔ زندگی میں اک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ جس میں چھپی ہلچل وجود کو ہلا دیتی تھی۔ اک جمود سا سارے وجود پر چھایا تھا۔ جو روح کی پژمردگی بن گیا تھا۔ دل کی دنیا لٹا دینی من کو مار لینا اتنا سہل نہیں تھا۔ بظاہر وہ اپنے آپ میں مگن تھی گھر کی چھوٹی سی جنت میں کھوئی ہوئی سی۔ لیکن نہ جانے دل میں کا ہے کی خلش تھی۔ اک

نا قابلِ فہم چبھن، اس نے اپنے گرد ایک مضبوط حصار کھینچ لیا تھا۔ اپنے اوپر خودداری کا ایک خول سا چڑھا لیا تھا۔ وہ اک مشین کی طرح کام کرتی تھی۔ اس نے کبھی من میں جھانک کر نہیں دیکھا، کبھی دل کی گہرائیوں میں نگاہ نہیں ڈالی، کبھی بھولے سے بھی روح پہ چھائی پژمردگی کا سبب معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خود کو یقین دلاتی رہتی تھی کہ وہ بہت خوش ہے۔ اسے کوئی غم نہیں۔ اس کے ساتھ کوئی پچھتاوہ نہیں۔ اسے کچھ نہیں چاہئے۔ اسے کسی کی آرزو نہیں۔

وہ خود کو بہت مصروف رکھتی تھی اس نے مقاصد کو سامنے رکھ لیا تھا۔ اس نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ وہ اپنے بھرے پرے گھر کو دیکھ کر نہال سی ہو جاتی تھی۔ جس میں خوشیاں اس کے دم سے تھیں۔ جسے اس نے زندگی کے رنگین ماہ و سال سے سجایا تھ۔ وہ یہ سوچ کر جی اٹھتی تھی کہ ابھی اسے بہت کچھ کرنا ہے۔ اسے اپنے بہن بھائیوں کو ان کی منزل پر پہنچانا ہے۔ اسے اس گھر کو بنائے رکھنا ہے۔ وہ خاموشی سے اپنی راہ پر چلی جاتی تھی۔ لیکن لوگ راستے میں آجاتے تھے۔ وہ ابھی تک عامر کے ساتھ ٹوٹنے والی منگنی نہیں بھولی تھی۔ ملنے جلنے والے، عزیز رشتہ دار ہمدردی جتاتے۔ اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتے۔ امی کو اس کی شادی کی فکر کرنے کو کہہ جاتا۔ پھر اس کی بڑھتی ہوئی عمر پر تشویش کا اظہار کیا جاتا۔ بھرپور خلوص کے ساتھ اسے مشورہ دیا جاتا کہ وہ جلد اپنی فکر کرے۔ ورنہ بعد میں کوئی نہیں پوچھے گا۔ اکثر اس کیلئے کسی ادھیڑ عمر، کئی بچوں کے باپ کا رشتہ بھجوایا جاتا اور اس کے انکار پر کئی طرح کی باتیں بنتیں۔

کوئی نہیں سوچتا تھا کہ اس نے کتنی قربانی دی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے مرادوں بھرے دن لٹا کر اس گھر میں بہار لائی ہے۔ وہ اپنا آپ تج کر اپنے بہن بھائیوں کی زندگی بنا رہی ہے۔ سب یہی کہتے تھے کہ وہ مردوں کے دفتر میں کام کرتی ہے اس لئے شادی کرنے کا نام نہیں لیتی۔ اس کی آنکھیں کسی اونچی جگہ لگی ہیں۔ تبھی ہر رشتے کیلئے



انکار کر دیتی ہے۔ اس کی ماں کو طعنے ملتے تھے کہ وہ بیٹی کی کمائی کھا رہی ہے۔ امی کی آنکھوں میں امنڈتی بے بسی، ان کے چہرے کی ویرانی اور تشویش دیکھتی تو اس کا من سلگ اٹھتا۔ کیا وہ اتنی بری ہے کہ اپنی ماں کیلئے ہی الجھن بن گئی ہے۔ اسے ساری دنیا سے نفرت ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ وہ کس طرح زندگی گزارے کہ لوگ خاموش ہو جائیں۔ اس کے بارے میں کچھ نہ کہیں اس کی ماں کو دن رات عذاب نہ دیں وقت اس کے دامن میں لحہ لحہ پھول اور کانٹے بھرتا اسے چھو چھو کر گزرتا تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھتی تھی۔ تو اک طویل راستہ طے کر آئی تھی۔ سختیوں کے دن کٹ گئے تھے۔ تھوڑے سے کانٹے رہ گئے تھے۔ وہ بھی ہنس کر چن لیتی تو بہاریں اور شادمانیاں اس کا مقدر تھیں۔ راجہ قانون پڑھ رہا تھا۔ نازش بی اے کر چکی تھی اور جگنو میٹرک میں آ گیا تھا۔ وہ کتنی مسرور تھی۔ اس نے دنیا کی پروا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے جو چاہا تھا۔ وہ پانے کو تھی۔



اک عرصے بعد صدف کا فون آیا تھا۔ اس نے بڑے گلے شکوے کیے تھے کہ وہ اسے بھول گئی ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کے یہاں بیٹا ہوا ہے۔ اسے کبھی وقت ہو تو ملنے آ جائے۔

سروش نے ریسیور رکھا اور کچھ دیر سوچتی رہی۔ صدف کے ساتھ نہ جانے کیوں عاصم کا خیال آ گیا تھا۔ نہ معلوم وہ کہاں تھا؟ اس کے ساتھ تو جیسے ہر رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ وہ واپس بھی آیا ہے یا نہیں۔ اتنا عرصہ اس کے بارے میں جاننے کا کچھ اشتیاق نہیں تھا۔ لیکن اب صدف نے فون کیا تھا۔ تو عاصم کے بارے میں جاننے کی خواہش بڑی شدت سے جاگ اٹھی تھی۔ وہ اس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ اس کے بارے میں سننا چاہتی تھی۔ دل کے کسی گوشے میں یہ خیال بھی سر اٹھا رہا تھا۔ کہیں اس نے شادی تو نہیں کر لی۔

آفس سے اٹھ کر وہ گھر جانے کے بجائے صدف کی طرف ہی چل پڑی۔

اس نے محبت سے گلے لگا لیا۔ اس کے گال پر پیار کی اور چند لمحے اس کا چہرہ تکتی رہی سروش کو اس کی نگاہیں عجیب ترسی ہوئی سی معلوم ہوئیں۔ اس نے توجہ ہٹانے کو جلدی سے کہا۔ ’’ہاں صدف اپنا بیٹا تو دکھاؤ نا۔‘‘ اس نے برا سا منہ بنایا۔ ’’ہاں جی آپ کو کیا ہم سے اور ہمارے بیٹے سے کبھی جو ملنے کا خیال آیا ہو ہم ہی بلائیں تو بلائیں۔‘‘

’’ارے نہیں صدف۔ خفا کیوں ہوتی ہو۔ کچھ زندگی مصروف ہی بہت ہو گئی



ہے۔ دیکھ لو اس وقت آفس سے اٹھ کر سیدھی تمہاری طرف ہی آئی ہوں۔‘‘ سروش نے اسے مناتے ہوئے کہا صدف مسکرائی۔ ’’چلئے جناب مان لیتے ہیں کہ آپ بہت مصروف ہیں۔‘‘

’’اچھا تم اپنا بیٹا تو دکھاؤ نا‘ سروش نے اشتیاق سے کہا۔

’’اتنے دنوں بعد آئی ہیں تو کیسی بے صبری بن رہی ہیں۔ ابھی آیا لے کر گئی ہے اسے نہلانے۔‘‘ صدف نے اسے ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

کچھ دیر دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ آیا اس کے بیٹے کو لے کر آئی تو سروش نے اسے گود میں لے لیا۔ دودھ میدہ سا بہت گورا گورا بچہ تھا۔ بڑی بڑی چمکیلی آنکھیں بالکل صدف پر تھیں۔ سروش نے ہولے سے اس کی آنکھوں کے گرد ہاتھ رکھا تو اس نے معصوم شربتی آنکھیں پوری طرح سے کھول دیں سروش کو وہ بہت پیارا لگا۔ اس نے صدف سے کہا۔ ’’کتنی خوبصورت آنکھیں ہیں منے کی بالکل تم پر ہیں صدف۔‘‘

’’مجھ سے بھی ملتی ہیں۔‘‘ صدف نے ہولے سے کہا۔ ’’لیکن امی بتاتی ہیں کہ یہ بالکل عاصم بھائی پر ہے۔ بچپن میں ان کی آنکھیں اور پیشانی بالکل ایسی ہی تھیں۔ صدف نے محبت سے اس کی پیشانی پر کئی دفعہ پیار کیا اور نم نم سی آنکھوں کے ساتھ بولی۔ ’’عاصم بھیا! تو ایسے گئے ہیں کہ واپس آنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ ہماری تو آنکھیں ترس گئیں۔ ان کی صورت دیکھنے کو۔‘‘ اس نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں کو زور سے بھینچ کر کہا۔

سروش کو نہ جانے کیوں احساس جرم سا ہوا۔ سوگوار سی صدف اس کے سامنے مہجور بیٹھی تھی۔ اسے یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس ہنستی ہوئی لڑکی کو سوگوار کرنے والی وہ خود ہے۔ اس نے سر جھٹک کر خود کو سنبھالا اور بڑے لگاؤ سے صدف سے کہنے لگی۔ ’’لو تم دل تھوڑا کیوں کرتی ہو صدف تم انہیں خط لکھو نا تمہارے بیٹے کا سنیں گے تو ضرور آئیں

گے۔"

"بیٹے کے تحفے تو آ بھی چکے۔" وہ رندھے ہوئے گلے سے بولی۔ فون پر بات کرتے ہیں بتاتے کچھ نہیں، کچھ نہیں کہتے۔ وہ اتنی دیر ہم سے کبھی دور نہیں رہے۔ اس کا دکھی لہجہ سروش کے دل میں اتر گیا وہ کہہ رہی تھی۔ سروش مجھے پتا ہے وہ خوش نہیں ہیں وہ یہاں سے گئے تھے۔ تو بہت پریشان تھے۔ بڑے اداس تھے وہ۔ ان کے دل میں کوئی بات ہے۔ وہ......وہ......صدف کا گلا بھر آیا۔ وہ فقرہ مکمل نہیں کرسکی۔ آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔ سروش کانپ گئی۔ وہ نادم سی ہوگئی۔ وہ آپ ہی آپ پشیمان ہونے لگی۔ اس کے پاس تسلی کیلئے الفاظ نہیں تھے۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو آرہے تھے۔ بغیر کچھ کہے اس نے صدف کا سر اپنے شانے سے لگا لیا اور اس کے ملائم بال سہلانے لگی۔ دونوں رو رہی تھیں۔ لیکن سروش اپنے آنسوؤں کو کوئی نام نہیں دے پائی تھی۔ صدف کچھ دیر سسکیاں لیتی رہی پھر ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"سروش! سروش! مجھے پتہ ہے مجھے پتہ ہے ان کا دل توڑنے والی آپ ہیں۔ آپ۔ سروش ہک بک رہ گئی۔ وہ یوں پلک جھپکے بنا اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔ اسے صدف سے اس کی توقع نہیں تھی۔ اس کے اندر تردید کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ پشیمان سی ہو کر ماتھے سے پسینہ خشک کرتی ہوئی بولی۔

"نہیں صدف! نہیں بھلا میرا ان سے کیا تعلق؟ اس کا لہجہ بہت کمزور تھا۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔ یوں جیسے اپنی ہی بات پر اعتبار نہ آتا ہو۔

"سروش! مجھ سے بھی چھپاؤ گی۔" اب صدف بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنسوؤں میں، بھیگی ہوئی مسکراہٹ میں اپنائیت اور محبت تھی۔ یوں جیسے راز داری کا یقین دلا رہی ہو۔ سروش بوکھلا گئی۔ "چھپانے کی کوئی بات بھی



ہو۔"

عاصم بھائی نے یہ بات مجھ سے چھپائی تھی۔ لیکن مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ آپ کو پسند کرنے لگے ہیں۔" وہ بڑے وثوق سے کہہ رہی تھی۔ سروش ٹپٹا گئی۔

"حمیرا ہے نا۔" ہماری کزن وہ اک روز ان سے آپ کے متعلق کچھ کہہ رہی تھی۔ شاید کسی سکینڈل کا تذکرہ تھا۔ بیچ کا دروازہ کھلا تھا۔ آواز صاف آرہی تھی۔ آپ کا نام بار بار آیا تو میں نے غور سے سنا۔"

سروش نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ نہیں......نہیں......نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں ہمارے درمیان کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ کوئی نہیں۔" وہ اسے قائل کرنے کو نہ جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی۔ لیکن اس کے انداز میں زور نہیں تھا۔

صدف نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ سروش سروش انکار نہ کیجئے پلیز! کیا آپ کے دل میں ان کیلئے ذرا سی بھی جگہ نہیں۔"

سروش یوں چونکی جیسے خواب کی حالت میں ہو۔

ہولے سے بولی۔ صدف میں نے تو ہمیشہ ان کی عزت کی ہے۔ اس لئے کہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ صدف صدف تم یقین کرو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے بڑی مشکل سے الفاظ اگلے۔ وہ...... وہ اک معمولی لڑکی کیلئے سب کچھ تو نہیں چھوڑ سکتے۔ انہیں کوئی کام ہوگا۔ جو ٹھہر گئے ہیں ورنہ اور...... کیا خبر......وہ پھیکی سی ہنسی ہنسی کیا خبر انہوں نے تمہارے لئے کوئی بھابی پسند کر لی ہو۔"

صدف بدستور سنجیدہ رہی۔ اس کا ہاتھ زور سے دبا کر بولی۔ "سروش! اگر اب تک آپ کو اس جذبے کا احساس نہیں تھا۔ تو للہ اب اس پہلو سے سوچئے۔ وہ آپ کو چاہتے ہیں۔ وہ آپ کو پسند کرتے ہیں۔ سروش میری خاطر پلیز میری خاطر اک بار ان کیلئے سوچئے ایک بار ضرور۔"

◆ ...... ◆ ...... ◆

''یہ تو ہے ہی احمق۔ اس کی جو بات ہے حماقت سے بھری ہے۔''

''پتہ نہیں آپ کو ہر بات کی سمجھ بہت دیر سے کیوں آتی ہے بس۔''

''کہہ جو دیا ہے ایک بار۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''تم کیا ہو بھئی۔'' وہ بھی جھلائے۔ ''جو کہتی ہو ٹھیک ہی کہتی ہو۔''

''اب کتنی دفعہ آپ کو سمجھایا جائے گا یہ کوئی دسویں مرتبہ تو ہے۔''

''اور میں جو ہر روز جھک جھک کرتا ہوں وہ دماغ میں کیوں نہیں آتی۔'' انہوں نے ڈپٹ کر کہا۔

رضی بھیا سے جو یہ تکرار ہو رہی تھی۔ تو اس کی وجہ یہی تھی۔ کہ کسی تقریب میں ایک محترمہ نے نازش کو اپنے صاحبزادے کیلئے پسند کرلیا تھا۔ اب انہوں نے پیام بھجوایا تھا۔ لڑکا بھی اچھا تھا۔ سروش نے ہاں کر دینے پر زور دیا۔ امی نے دوسرے رشتہ داروں کو مشورے کیلئے لکھا تو رضی بھیا دندناتے ہوئے آ پہنچے۔ انہوں نے راجہ کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔ وہاں سب رشتہ داروں نے کہلوا بھیجا تھا۔ کہ پہلے سروش کے بارے میں سوچنا چاہئے ورنہ اس کی عمر نکل جائے گی۔

سروش اس وقت سے ان کے ساتھ بحث میں الجھی تھی۔ وہ برابر اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ تو اس کی جان کو آ گئے تھے۔ پیار سے، منت سماجت سے ڈانٹ ڈپٹ کر مار دھاڑ کی دھمکیاں دے کر وہ اپنی بات منوانے کی کوشش میں تھے۔ اور کسی طرح جان نہیں چھوڑ رہے تھے۔

◆ ...... ◆ ...... ◆



بھئی آخر تمہیں کیا آفت ہے کہ سب کچھ تمہیں ہی اپنی جان پر جھیلنا ہے۔ بس بہت ہو چکا اب دوسروں کو بھی کچھ کرنے دو۔'' انہوں نے رعب جمایا۔

''بس اب اپنے بارے میں سوچو سمجھیں تم۔''

بس رضی بھیا! میں اسی طرح خوش ہوں۔ میں یونہی زندگی گزاروں گی۔ اسی طرح میں اپنے بہن بھائیوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ کامیاب و کامران میرے لئے یہی بہت ہے۔

''سروش! سروش! سروش! کی بچی نکمی۔ تم بہت سمجھدار بنتی ہو پر ہو نری احمق۔ ایسی پہاڑ سی زندگی کچھ یونہی نہیں گزر جاتی۔ زندگی میں کچھ اور رفاقتوں کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ زندگی میں اک خاص توازن ہے۔ سارے رشتے پاس ہوں تو زندگی، زندگی کہلاتی ہے۔ سروش میری بات سنجیدگی سے سنو وہ بڑے رسان سے بولے۔ ''اگر تمہارے دل میں کوئی ہے تو مجھ سے کہو قسم لے لو میں ساری بات خود پر لوں گا۔''

''سروش نے عجیب سی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ رضی بھیا! جس کو دل میں جگہ دی تھی۔ اس نے کیا صلہ دیا جواب پھر وہی حماقت کروں۔'' وہ بظاہر تمسخر سے کہہ رہی تھی۔ لیکن شکستہ دل کا درد آنکھوں سے جھانکتا تھا۔

رضی بھیا نے افسردگی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''نہیں سروش نہیں سارے لوگ ایک جیسے تو نہیں ہوتے۔ ہر بات کا انجام ہمیشہ ایک سا نہیں ہوتا۔ اس نامعقول

شخص کیلئے تم اپنی خوشیاں کیوں تج دو۔ وہ کم بخت پتہ نہیں کہاں عیش کر رہا ہے اور تم بس وہی اک بات لئے بیٹھی ہو۔''

''پلیز رضی بھیا! آپ اس ذکر کو ختم نہیں کر سکتے۔''

اس نے اکتا کر کہا۔ ''مجھے نفرت ہے اس رشتے سے، اس تعلق سے، محبت پر سے میرا اعتبار اٹھ گیا ہے۔''

رضی بھیا سٹپٹا کر بولے۔ ''سروش! تم سے تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔ ایسی الٹی کھوپڑی ہے تمہاری۔'' انہوں نے الجھ کر اس کے بال بکھیر دیئے۔

سروش نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''رضی بھیا! آپ کی وجہ سے مجھے بڑا حوصلہ رہتا ہے۔ سچ کہوں آپ تو میرے سب سے اچھے دوست ہیں۔ کہئے نا اس وقت بھی آپ میرا ساتھ دیں گے پلیز۔''

رضی بھیا میں نہیں چاہتی کہ نازش بھی میری طرح زندگی گزارے۔ میں اس کیلئے خوشیاں محفوظ کر دینا چاہتی ہوں۔

رضی بھیا کچھ دیر اس کی جانب دیکھتے رہے۔

وہ پر امید نگاہوں سے ان کی جانب تک رہی تھی۔ انہوں نے ہولے سے اک چپت اس کے رخسار پر جمائی۔ سروش کی بچی تم مجھے مجبور کر دیتی ہو۔



بات طے ہو گئی تھی۔ ادھر نازش کے پرچے ختم ہوئے۔ ادھر وہ لوگ تاریخ لینے آ پہنچے۔ موسم بھی اچھا تھا۔ گرمی جا رہی تھی۔ گلابی جاڑے شروع ہو رہے تھے۔ سروش نے بڑے اطمینان سے تاریخ دے دی۔ ان لوگوں نے ابھی گھر سے قدم نہیں نکالا تھا۔ کہ امی کو اختلاج شروع ہو گیا۔ انہیں یہی فکر کھائے جاتی تھی۔ کہ اتنی جلد تیاری



کس طرح ہوگی۔ سروش نے انہیں تسلی دی۔ ''آپ تو خوامخواہ ہی پریشان ہو رہی ہیں امی
امی نے ہکا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

''لڑکی تیری عقل تو ٹھکانے ہے۔''

شادی بیاہ کا معاملہ کوئی ہنسی کھیل تو نہیں۔

''لیجئے تیاری تو سب ہے پھر گھبرانے کی کیا بات ہے۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔

''تیاری۔'' امی نے حیرت سے کہا مجھے نہیں پتہ کہ تو کیا کہہ رہی ہے۔

''امی دیکھئے نا جہیز تو سب بنا رکھا ہے اوپر کے خرچے کیلئے بنک میں کچھ روپیہ ہے۔ شاید آفس سے بھی کچھ قرض مل جائے بس اب تو فکر نہیں ہے نا آپ کو۔

''کونسا جہیز۔'' امی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''وہی جو میرے لئے بنا تھا۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''ہوش کی دوا کر لڑکی۔'' انہوں نے ڈپٹ کر کہا۔ ''وہ تیرے نام کا ہے تیرے پیسے سے بنا ہے۔ میں نے اتنے ارمانوں سے تیرے لئے بنایا ہے۔ سروش وہ کسی کو نہیں دیا جائے گا سمجھی تو۔''

''ناشی آپ کی بیٹی نہیں ہے امی اس کو دیا یا مجھے ایک ہی تو بات ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔ امی نے یوں اس کی طرف دیکھا جیسے کوئی ان کی عزیز ترین شے چھینے لئے جاتا ہے۔ انہوں نے اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا اور دکھی سے لہجے میں بولیں۔ ''میری بچی سروش تو اسی لئے پیدا ہوئی تھی کہ اپنی خوشیاں سب میں بانٹتی پھرے۔''



سروش نے اک لمحے کو سوچا کہ کبھی اسے بھی خوشیاں ملیں گی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک کر شگفتگی سے بولی۔

"بس امی اب تیاری شروع کر دیجئے آپ کی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے۔"

انہوں نے بڑی حسرت سے اس کی طرف دیکھا اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی فراخ پیشانی چوم لی۔

سروش بہت خوش اور مطمئن تھی۔ اس کی اک آرزو کی تکمیل ہونے والی تھی۔ وہ نازش کیلئے بہت فکرمند رہتی تھی۔ وہ اپنی طرح اس کی زندگی کو روگ نہیں لگانا چاہتی تھی۔ وہ اسے منزل تک پہنچا دینا چاہتی تھی وہ گنگناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو نازش کو کھڑکی کے قریب کھڑے دیکھا وہ اس کے قریب آن کھڑی ہوئی اور اس کے بال الجھاتی ہوئی بولی۔ "ناشی تو بھی تیاری شروع کر دے نازش جو منہ پھیرے کھڑی تھی اس نے پلٹ کر دیکھا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں اس کے رخسار بھیگے تھے۔

سروش نے محبت سے کہا "ارے۔ ناشو کیوں رو رہی ہے پگلی۔"

"بس رو رہی ہوں۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔ "بس آپ ہمیشہ اپنی مرضی کرتی ہیں ہماری ایک نہیں سنتیں۔"

"ہشت۔" وہ خوش دلی سے بولی۔ "اچھی لڑکیاں تو ایسی باتوں میں دخل نہیں دیا کرتیں۔"

نازش مسکرائی تک نہیں بہتے ہوئے آنسو پونچھ کر بولی۔

"آپ کیوں اپنی زندگی خراب کرتی ہیں ہمیں بھی تو کچھ کرنے دیں میں نہیں لوں گی آپ کا جہیز آپی وہ آپ کیلئے بنا تھا آپ کیلئے۔"

"فضول باتیں نہیں کرتے ناشی۔" وہ محبت سے بولی۔ "دیکھ تو مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہے تو کچھ مت کہنا نازش تو اپنے گھر کی ہو جائے گی تو مجھے کوئی فکر نہیں رہے گی۔"



نازش نے بھیگی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اس کے ہونٹ کچھ کہنے کیلئے لرزے لیکن اس نے منہ پھیر لیا۔



اپنے بستر پر لیٹی ہوئی وہ نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ معلوم نہیں وہ آج خوش تھی۔ یا اداس! مغموم تھی، یا مسرور، مطمئن تھی، یا بے سکون وہ مطمئن ہونے کے بجائے کچھ دلبرداشتہ سی ہو رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے بہت تھک گئی ہے چلنے کی سکت نہیں رہی دم پھول رہا ہے۔

اس کی سب سے بڑی آرزو پوری ہوئی تھی۔ نازش اپنے گھر کی ہوگئی تھی۔ ویسے پر اس سے ملی تھی۔ تو بہت خوش تھی۔ اندرونی مسرت سے اس کا دل کش چہرہ گلنار ہوا جاتا تھا۔ سروش اسے دیکھ کر مسرور تو ہوئی تھی۔ لیکن خود جیسے اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔

اسے یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے وہ بکھر گئی ہے۔ اس کا ریزہ ریزہ ہوا میں اڑ رہا ہے۔ یوں جیسے طوفان میں گھر گئی ہے۔ وہ پشیمان سی ہو کر سوچ رہی تھی۔ کیا وہ دوسروں کو خوشیاں دے کر یوں ہی غم سہتی رہے گی۔ بری کہلاتی رہے گی۔ ناکردہ گناہوں کی پاداش میں لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہوتی رہے گی۔ ان دیکھے الزامات اپنے سر لیتی رہے گی۔

اس نے اک آہ بھر کر سوچا میں نے کیا کیا ہے؟

میرا کیا قصور ہے؟ اسے وہ اذیت ناک لمحہ یاد آ رہا تھا۔ جو کانٹے کی طرح اس کے سارے وجود کو زخمی کر گیا تھا۔ جو اک ٹیس سی بن کر اس کے روئیں روئیں میں سما گیا تھا۔ شادی کی جیتی جاگتی رونقوں میں کھو سی گئی تھی۔ سارے انتظامات اسے ہی تو

دیکھنے بھالنے تھے۔ وہ خوشی خوشی سارے کام نپٹا رہی تھی کبھی یہاں ہوتی تو کبھی وہاں‘ بڑے کمرے میں کھڑی وہ الماری میں سے کچھ نکال رہی تھی کہ اس کی جانب پشت کئے ہوئے مہمان عورتوں کے جھرمٹ میں سے آواز آئی۔

’’نازش تو چھوٹی ہے سروش سے؟‘‘

’’اچھا۔‘‘ کسی نے بڑی حیرت سے کہا۔ ’’تو پہلے بڑی بہن کو کیوں نہیں بیاہا۔‘‘

’’ارے اس کو کون بیاہے گا۔ اس کی تو منگنی ہو کر چھوٹ گئی۔ لڑکے نے خود انکار کر دیا کسی اور نے اطلاع دی۔

’’بھئی کچھ دیکھ سن کر ہی کہا ہوگا۔ مردوں کے دفتر میں تو کام کرتی ہے پتہ نہیں کس کس کے ساتھ آوارہ گردی کرتی ہے۔

ایسی آزاد لڑکیاں کہاں شادیاں کرتی ہیں۔ انہیں پوچھنے والے بہتیرے وہ اک کی پابند ہو کر کہاں رہتی ہیں۔‘‘ کوئی اور کہہ رہی تھی۔

سروش کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ وہ حیرت سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آتا تھا۔ کہ یہ سب اس کی اپنی ذات کے بارے میں کہا جا رہا ہے۔





وہ حیرت سے سوچ رہی تھی کہ اس نے تو اپنا سب کچھ اپنے گھر کی خوشیوں کیلئے لٹا دیا تھا۔ لیکن اس کے بدلے اسے کیا ملا تھا۔ یہ طعنے، یہ مشکوک نگاہیں اور یہ شرم ناک الزام۔ وہ صدمے سے نڈھال سی ہو گئی۔ دوسرے لوگ اس کے بارے میں اتنی گھٹیا رائے رکھتے تھے۔

اس کا جی چاہا کہ ان سے پوچھے تو سہی کہ اس نے کیا کیا ہے جو وہ اس کی ذات پر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ لیکن وہ ان کی ذہنیت نہیں بدل سکتی تھی۔ اس نے ہونٹ کاٹ کر خود پر بمشکل قابو پایا اور بوجھل قدموں سے پچھلے دروازے سے باہر نکل آئی۔

دھندلائی آنکھوں سے راستہ دیکھنا محال تھا۔ وہ لڑکھڑا رہی تھی جلدی میں سامنے سے آتے ہوئے رضی بھیا سے ٹکرا گئی۔ انہوں نے اسے سنبھال لیا۔

’’سروش کیا ہوا ہے تمہیں؟‘‘ انہوں نے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر فکرمندی سے پوچھا۔ ’’طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟‘‘

’’ٹھیک ہوں میں بالکل۔‘‘ اس نے دائیں بائیں سر زور سے جھٹکا۔

’’کچھ نہیں ہوا مجھے کچھ نہیں کچھ بھی نہیں اور آگے بڑھ گئی۔

انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا۔ ’’نہیں کوئی بات ضرور ہے۔ بتاؤ مجھے۔‘‘ انہوں نے بڑی اپنائیت سے کہا تو سروش کا جی چاہا کہ ان کے گلے سے لگ کر

جی بھر کے روئے ان سے زمانے بھر کی شکایتیں کرے۔

ان سے پوچھے کہ اگر عامر نے منگنی توڑ دی ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ اگر وہ مردوں کے دفتر میں کام کرتی ہے تو کیا وہ بری لڑکی بن گئی ہے لیکن ان سے یہ سب کچھ کہہ دینے سے کیا حاصل۔ وہ یا رضی بھیا یا کوئی بھی دوسروں کی رائے نہیں بدل سکتا تھا۔

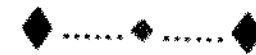
اس نے یونہی پیشانی سے بال ہٹائے اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ''رضی بھیا! کوئی بات نہیں کچھ بھی نہیں۔''

''جھوٹ نہ بولو۔ لڑکی!'' انہوں نے انگلی سے اس کا رخسار چھوا۔

سروش کے آنسو ٹپک پڑنے کو تھے۔ اس نے ہونٹ کا اک گوشہ دانتوں میں دبالیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''رضی بھیا! ابو یاد آ رہے ہیں۔''

''اوہ۔'' رضی بھیا پریشان سے ہوگئے۔

انہوں نے محبت سے اس کا بازو تھپتھپایا۔ ''ارے پگلی یوں دل تھوڑا کیوں کرتی ہو چلو جا کر کام نپٹاؤ جلدی سے۔ چلو چلو تم رونے بیٹھ گئیں تو سارا کام کون کرے گا۔'' وہ اسے بازو کا سہارا دیتے ہوئے باہر لے آئے۔



وہ شادی کے ہنگاموں میں مصروف رہی تو کئی روز تک دفتر کا رخ ہی نہیں کیا۔ عدنان نے اسے اجازت دے رکھی تھی کہ وہ دل کھول کر چھٹیاں کرے۔ مصروفیت اتنی رہی کہ نیلم سے بھی شادی پر ہی ملاقات ہو سکی۔ آفس پہنچی تو فضا کچھ بدلی سی نظر آتی تھی۔ سب سے ملی، مبارکباد وصول کی۔



''روز نے آہستہ سے سرگوشی میں اسے بتایا نئے باس آ گئے ہیں۔''

''اچھا؟'' وہ حیران رہ گئی۔ عدنان صاحب کہاں ہیں؟

ان کی تو پوسٹنگ ہوگئی ہے۔''

''کب؟''

''ہفتہ بھر تو ہو گیا ہے۔''

''سروش فکرمند سی ہوگئی۔ اسے تو عدنان کی ٹرانسفر کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں چلا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ نئے باس نہ جانے کیسے آدمی ہوں گے۔ عدنان کی وجہ سے تو وہ خود کو بہت محفوظ سمجھتی تھی۔ کسی طرح کا فکر نہیں تھا۔

لیکن اب تو وہ نئے باس کو دیکھ کر اور بھی پریشان ہوئی تھی۔ وہ خاصے رنگین مزاج اور پختہ کار آدمی تھے۔ جو زبان سے زیادہ آنکھوں سے کام لیتے تھے۔ اس کی معنی خیز نگاہیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کہتی رہتی تھیں۔ خصوصاً دفتر میں کام کرنے والی لڑکیوں پر تو وہ بہت مہربان تھے۔ کچھ آزاد خیال لڑکیاں ان کے ساتھ کچھ شامیں بھی گزار آئی تھیں۔

ہر وقت بنے سنورے رہتے تھے۔ عمدہ کلون کی خوشبو پانچ منٹ پہلے ہی ان کے آنے کی خبر دے دیتی تھی۔ ان کا دھیان کام میں بہت کم رہتا تھا زیادہ توجہ اپنی نوازشات عام کرنے کی طرف رہتی تھی۔



سروش تو دو چار دن میں ہی پریشان ہوگئی۔ عدنان سے بھی ملی وہ خود پریشان تھا۔ اسے سارا گھر اٹھا کر دوسرے شہر جانا پڑ رہا تھا۔ اس نے تبادلے کو منسوخ کرانے کی

کوشش بھی کی تھی۔ لیکن نئے باس کا اثر ورسوخ کچھ زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

سروش عجیب مشکل میں گرفتار ہوگئی تھی۔ کچھ دنوں سے وہ دیکھ رہی تھی کہ نئے باس چنگیزی صاحب اس پر کچھ زیادہ ہی مہربان تھے۔ نوٹس لیتے وقت انہیں ڈاک دیتے وقت کوئی اور کام ہو تو تب بھی ان کی معنی خیز نگاہیں اس کا طواف کرتی رہتی تھیں۔ سروش بظاہر انجان بنی رہتی بلاضرورت ان سے کوئی بات نہ کرتی۔ لیکن ان کی گفتگو ایسی پہلو دار ہوتی کہ کوئی نہ کوئی معنی سمجھا جاتی۔ اکثر فائلیں یا کاغذات وغیرہ انہیں دیتے ہوئے وہ دانستہ اس کا ہاتھ چھونے کی کوشش کرتے۔ وہ کوئی عام سا پرنٹ یا سادہ سی ساڑھی بھی پہنے ہوتی تو وہ غیر ضروری تعریف کرنے لگتے۔ اکثر وبیشتر انہیں چائے میں بھی شریک کرتے اور لمبی چوڑی گفتگو چھیڑ دیتے۔

سروش اس صورتحال سے پریشان ہوگئی تھی۔ وہ اس سنجیدگی سے استعفیٰ دینے کے متعلق سوچنے لگی تھی۔ ان کی مشکوک نوازشات سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ جتنی سنجیدہ تھی۔ وہ اتنے ہی باتونی اور شوخ تھے۔ اکثر اس کے کام پر کوئی بے معنی سا اعتراض کر کے اسے گفتگو میں الجھانے کی کوشش کرتے۔ ان کی آوارہ نگاہیں اسے بہت کچھ سمجھاتی تھیں۔ وہ مجبوراً یہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔ اس لئے کہ اسے ملازمت کی ضرورت تھی۔ ابھی اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ کوئی دوسری ملازمت اتنی جلد مل جانے کی امید نہیں تھی۔ پھر بھی اس نے دوسرے محکموں میں درخواستیں بھی دے رکھی تھیں۔ اسی انتظار میں تھی کہ کسی دوسری ملازمت کی امید ہوتے ہی وہاں سے پیچھا چھڑا لے۔





اس روز وہ چھٹی کے وقت تک مصروف رہی کتنے ہی خطوط ٹائپ کرنے تھے وہ جلدی جلدی کام ختم کر کے اٹھنے لگی کہ باس نے کچھ اور خطوط بھجوا دیئے کہ انہیں ابھی ٹائپ کر کے بھجوانا ہے۔

سروش بہت بیزار ہوئی تقریباً سب لوگ چھٹی کر کے جا چکے تھے۔ وہ تنہا آفس میں نہیں ٹھہرنا چاہتی تھی۔ اس نے کاغذات اٹھائے اور اس کے کمرے میں جا پہنچی وہ اطمینان سے بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ سروش کو دیکھا تو مسکرائے آیئے آیئے مس سروش تشریف لائے۔

سروش نے کھڑے ہی کھڑے کہا نہیں سر شکریہ!
مجھے آج جلد گھر جانا ہے میں کل صبح ہی یہ خط ٹائپ کر کے پوسٹ کروادوں گی۔

وہ غور سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر بڑی فراخدلی سے بولے۔ ''جیسے آپ کی مرضی مس سروش! جیسے آپ کی خوشی۔''

''تھینک یو سر!'' سروش نے اتنی جلد جان چھوٹ جانے پر دل ہی دل میں شکر ادا کرتے ہوئے کہا اور جانے کیلئے پلٹ گئی۔

''سنئے تو مس سروش۔'' انہوں نے پکارا۔ سروش نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ یہاں آیئے انہوں نے سر سے اشارہ کیا۔

سروش کچھ جھجکی اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھتی ان کی میز کے قریب آگئی۔

''بیٹھئے۔'' انہوں نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔

''جی نہیں میں یونہی ٹھیک ہوں۔'' سروش نے کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا آپ فرمایئے۔

ان کے چہرے پر اک عجیب سا تاثر تھا اور آنکھوں میں ناقابل فہم چمک۔

''آپ بیٹھنے سے گھبراتی کیوں ہیں؟'' وہ مسکرائے۔

''جی نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' سروش نے جلدی سے کہا۔ ''میں جلدی گھر جانا چاہتی ہوں۔ میری والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اوہ۔'' وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے آپ کو جلدی جانا ہے تو میں آپ کو چھوڑ دوں۔''

جی نہیں شکریہ! میں خود ہی چلی جاؤں گی۔'' وہ عجلت میں بولی۔

وہ دو ہی قدموں میں اس کے قریب آ گئے۔ ''مس سروش! آپ اتنا خائف کیوں رہتی ہیں میں اتنا برا تو نہیں ہوں۔''

سروش اک قدم پیچھے ہٹ کر بڑی سنجیدگی سے بولی۔ ''نہیں سر! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ہمارے باس ہیں اور ہم یہ فاصلہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔''

''نہیں مس سروش!'' انہوں نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''یہ فاصلہ تو بہت زیادہ ہے۔ سروش نے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور برہمی سے بولی۔ ''سر! آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ مجھے اس قسم کی بے تکلفی بالکل پسند نہیں ہے۔''

وہ یوں بے ساختہ ہنسے جیسے اس کی بات سے بہت محظوظ ہوئے ہوں۔ ''آپ کے متعلق جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔ بھئی ایک بات کے ہم قائل ہو گئے کہ ساری ہی لڑکیاں بڑی اچھی اداکارہ ہوتی ہیں۔ اپنے قریب آنے والے ہر مرد سے وہ یہی کہتی ہیں کہ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔''

سروش کانپ گئی۔ تلخی سے بولی۔ ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے چنگیزی صاحب!



میں ایک شریف لڑکی ہوں سمجھے آپ۔''

''ہوں۔'' انہوں نے جیسے طنزیہ لمبی سی ہوں کی۔

''مسٹر عدنان کی تو اور بات ہے مس سروش۔ لیکن عاصم صاحب سے وابستہ رہنے والی لڑکیوں کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔ کیا خوش ذوق آدمی ہیں میں ہمیشہ ان کے ذوق کا معترف رہا ہوں۔ ان کی منظور نظر لڑکیاں ہمیشہ انتخاب ہوتی ہیں نگینہ، سچا موتی۔

''میں کسی عاصم کو نہیں جانتی۔'' اس نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ میں جا رہی ہوں۔ میں آپ جیسے انسان کے ساتھ ہرگز کام نہیں کر سکتی۔''

''آپ کی طرح آپ کی ادائیں بھی دلکش ہیں۔ وہ عین دروازے کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔



سروش سناٹے میں آ گئی۔ اس کے رگ و پے میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ اس نے دہشت زدہ آنکھوں کے ساتھ باس کی طرف دیکھا۔ وہ پائپ چباتے ہوئے بڑی دلچسپی سے اس طرف دیکھ رہے تھے۔ ''ہم عاصم کی طرح وجیہہ تو نہیں ہیں لیکن آپ ان ہی کی طرح ہمیں بھی فیاض اور اپنا پرستار پائیں گی۔''

''آپ' آپ میری مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔'' سروش نے تلملا کر کہا۔

''ہم فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے۔ ہم تو فیض پانا چاہتے ہیں۔'' وہ قریب آئے۔

سروش سہم کر الٹے قدموں پیچھے ہٹی۔

''نہیں' نہیں۔'' وہ دہشت زدہ سی ہو کر پیچھے ہٹتی گئی اور دیوار سے جا لگی۔

اسے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا محال تھا۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ وہ مر جانا چاہتی تھی۔ عاصم نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

وہ اور آگے بڑھے اور اپنے دونوں ہاتھ اس کے اردگرد دیوار پر رکھ دیئے اور ہنس کر بولے۔ ''اب کہئے؟ ہم چاہیں تو آپ یہاں سے اک انچ بھی نہیں ہل سکتیں۔''

سروش کی جان پر بن گئی۔ وہ اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ خوف کی شدت میں اس نے ایک فیصلہ کیا اور اس پر عمل کر گزری۔ بڑی کوشش سے اس نے اپنے حواس مجتمع کئے اور ہانپتی ہوئی بولی۔

''سر! کسی ہوٹل میں چلتے ہیں۔''



وہ ایک دم حیران رہ گئے اور اپنا چہرہ بالکل اس کے مقابل لا کر بولے۔ ''مس سروش! یہ آپ کہہ رہی ہیں؟''

سروش کا سانس الجھنے لگا۔ وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر دور چلی گئی۔ وہ مسرت سے لبریز آواز میں بولے۔ ''آج تو آپ اک نئی حیثیت سے متعارف ہوئی ہیں۔ آج کی شام اس خوشگوار اتفاق کے نام ہے۔'' انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ''آیئے چلتے ہیں۔''

سروش اپنی ہی نگاہوں میں حقیر ہوئی جاتی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے خمار آلود آواز میں کہہ رہے تھے۔ ''آپ کا لمس کتنا خوشگوار ہے جیسے نرگس کے پھولوں سے مٹھی بھر لی ہو۔''

وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ سروش ان کے ساتھ جیسے گھسٹ رہی تھی۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر وہ جیسے ہی دروازہ کھولنے کو جھکے تو وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔ اس کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر انہوں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ لیکن وہ سڑک پر پہنچ چکی تھی۔



وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ کتنی ہی تبدیلیاں آتی ہیں۔ کتنی ہی قیامتیں گزر جاتی ہیں۔ غم کی طول طویل گھٹتی ہوئی گھڑیاں اور خوشی کے تیزی سے پھیلتے ہوئے رنگین لمحے۔ پلک جھپکتے میں اڑے چلے جاتے ہیں۔ اپنے پیچھے ان مٹ نقوش چھوڑتے ہوئے ہمیشہ کے لئے زندگی سے دور نکل جاتے ہیں۔

چنگیزی صاحب کے واقعے کا تذکرہ اس نے گھر میں کسی سے نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد وہ دفتر نہیں گئی تھی۔ تھوڑی دوڑ دھوپ کے بعد اسے ایک اور جگہ ملازمت مل

گئی تھی۔ وقت بڑی سہولت سے کٹ رہا تھا۔ حالات سدھر گئے تھے۔ راجہ مقابلے کے امتحان میں اچھی پوزیشن سے کامیاب ہوا تھا اور اچھی پوسٹ پر تھا۔ جگنو کالج میں تھا اور نازش ایک پیاری سی بچی کی ماں بن گئی تھی۔

اس نے اپنے متعلق تو کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔ زیادہ تر خود کو مصروف رکھتی تھی۔ گھر کے کام میں امی کا ہاتھ بٹا دیتی تھی۔ امی اب بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ وہ کئی بار اسے دبے دبے لفظوں میں کہتی تھیں کہ وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرے۔ کبھی کبھی رضی بھیا آتے تو ان سے اس موضوع پر خوب بحث ہوتی۔ راجہ نے الگ ضد پکڑی تھی کہ وہ اس وقت تک شادی نہیں کرے گا جب تک کہ وہ شادی نہیں کر لیتی۔

وہ اکتا جاتی' پریشان ہوتی۔ بھلا وہ اپنے بارے میں کیا سوچے؟ ان محبتوں نے اسے کیا دیا تھا۔ عامر جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا۔ کس طرح اس کی زندگی سے نکل گیا تھا اور عاصم نے اسے کھلونا سمجھا تھا۔ اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ کس کی تمنا کرے' کس کو چاہے؟ وہ کسی کا سہارا نہیں لینا چاہتی تھی۔ وہ کسی کی قربت نہیں چاہتی تھی۔

لیکن کسی وقت نہ جانے کیوں احساس ہوتا تھا جیسے کوئی عزیز شے کھو گئی ہے۔ جیسے زندگی میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ کسی وقت وہ بے پناہ سوچوں کی یلغار میں چکرا سی جاتی۔ اس کے بھائی بہن اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے۔ اب کوئی مقصد سامنے نظر نہیں آتا تھا۔ اب آگے بڑھنے کے لئے کوئی ولولہ کوئی امنگ ساتھ نہیں تھی۔ زندگی کچھ پھیکی پھیکی سی اور بے رنگ ہو گئی تھی۔



اک روز وہ باہر برآمدے میں لگی ہوئی بیل کی فالتو شاخیں چھانٹ رہی تھی



کہ اندر کمرے میں بیٹھی ہوئی ممانی کی آواز آئی جو راجہ کے پاس بیٹھی اظہار شفقت فرما رہی تھیں۔ ''اے راجہ بیٹے! اب تو تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔ گھر بسانے کی یہی تو عمر ہے۔''

''جانے دیجئے ممانی جان! کچھ روز ہمیں بھی عیش کر لینے دیجئے۔'' راجہ حسب عادت مذاق کے موڈ میں تھا۔

''نہیں بیٹا! یہی تو وقت ہے۔'' بڑے عالمانہ انداز میں اسے سمجھانے لگیں۔ ''تیری ماں تو اب ان معاملوں کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتی۔ نازش اپنے گھر کی ہو گئی۔ اب تو سروش بیٹی کو سوچنا چاہئے۔ کچھ ادھر ادھر دیکھیں بھالیں۔ بیٹا تجھ میں کس بات کی کمی ہے۔ تجھے تو ہزاروں چاند سی دلہنیں ملیں گی۔''

''توبہ توبہ! ممانی جان! میں اتنی دلہنیں لے کر کیا کروں گا۔ پہلے ہی مہنگائی اتنی ہے۔'' وہ اب بھی سنجیدہ نہیں تھا۔

''تو' تو ہر بات ہنسی میں اڑاتا ہے۔'' وہ برا مانتے ہوئے بولیں۔ ''پر یہ تیرا کام بھی تو نہیں ہے۔ سوچنا تو سروش کو چاہئے؟''

''ممانی جان!'' راجہ اچانک سنجیدگی سے بولا۔ ''اسے تو ہمارے لئے سوچنا چاہیے تو کیا ہمیں اس کے متعلق نہیں سوچنا چاہیے۔ اس نے ساری زندگی ہم لوگوں کے لئے برباد کر دی تو کیا اب ہمارا کوئی فرض نہیں۔''

''ہے کیوں نہیں۔'' ممانی نے فوراً تائید کی۔ ''پر بیٹا! اس کی تو عمر نکل گئی ہے اور سچ پوچھو بیٹا! ایک بار کہیں بات ہو کر ٹوٹ جائے تو لڑکی کا دل بھی ٹوٹ جاتا ہے اور میرے منہ میں خاک' ایک بار کہیں لڑکی کا نام جوڑ دو' پروان نہ چڑھے تو لوگ وہاں رشتہ ناطہ کرتے ہوئے بھی گھبراتے ہیں۔''

''یہ کون الو کے پٹھے لوگ ہیں۔'' وہ غصے سے چلایا۔ ''منگنی ہی تو ٹوٹی تھی۔

کہیں طلاق تو نہیں ہو گئی تھی۔"

"پر بیٹا! تو کب تک انتظار میں بیٹھے گا۔ وہ تو سنا ہے کسی کل بیٹھتی ہی نہیں۔ کسی کے لئے ہاں کر کے ہی نہیں دیتی۔ وہ تو پتہ نہیں دل میں کیا لئے بیٹھی ہے۔ اب سارے گھر کو تو خانقاہ نہ بنائے۔"



راجہ غصے میں نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن سروش میں اور سننے کی تاب نہ تھی۔ اس نے ہاتھ سے قینچی رکھی اور وہیں نڈھال سی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ رہی۔

گھٹنوں پر سر رکھے وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کیا ایک مرد کا ہاتھ تھامے بغیر اس کی کوئی عزت نہیں۔ اس کی کوئی وقعت نہیں۔ اس نے جوانی کے امنگوں بھرے دن دفتر کی فائلوں کے درمیان کاٹ دیئے تھے۔ لیکن دوسروں نے اسے اور ہی معنی دیئے تھے۔ اس نے مجبور ہو کر دفتر میں ملازمت کی تھی۔ لیکن دوسروں نے اسے رنگ رلیوں کا نام دیا تھا۔ اس نے اپنوں کے لئے زندگی گزار دی تھی۔ لیکن اس کا صلہ شکوک وشبہات تھے جو اس نے لوگوں کی آنکھوں میں دیکھے تھے۔

اس نے بھی تو خواب دیکھے تھے۔ اس نے بھی تو سپنے سجائے تھے۔ اس نے بھی تو تمناؤں کو نئے رنگ دیئے تھے۔ لیکن اسے کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ کوئی نہیں سوچتا تھا کہ اس نے کس طرح سے اپنے من کو مارا تھا۔ اپنے سجیلے ارمانوں کا خون کیا تھا۔ اپنے گھر کو گھر بنائے رکھا تھا۔ اسے ٹوٹنے نہیں دیا تھا۔ اسے بکھرنے سے بچایا تھا۔

لیکن کسی کو یہ سب یاد نہیں تھا۔ سب یہی کہتے تھے کہ وہ شادی کیوں نہیں کرتی۔ وہ تنہا رہ کر رنگ رلیاں منانا چاہتی ہے۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہو گیا



تھا۔ وہ عمر کے اس دور میں کس کا ہاتھ پکڑے، کس کا دامن تھام لے، کسے ساتھی بنائے۔ وہ خود اپنے لئے کیا سوچے۔ کوئی اس کے لئے سوچنے والا نہیں تھا۔ اب اس کے لئے ادھیڑ عمر، دوسری شادی کے خواہشمند نودولتیوں کے پیام آتے تھے۔ وہ کس طرح ان کا سہارا لے جو خود سہاروں کے متلاشی تھے۔ زندگی کا پرخلوص ساتھی تو زندگی سے بہت دور تھا۔ اب دل میں کوئی ولولہ، کوئی تمنا، کوئی آرزو نہیں رہی تھی۔ کوئی مدعا، کوئی خواہش نہیں تھی۔ کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ کچھ بھی تو نظر نہیں آتا تھا۔

اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ راجہ کو منا ہی لے گی۔ جلد سے جلد اس کی شادی کرنے کی کوشش کرے گی جو ہمیشہ یہی عذر رکھتا تھا کہ وہ تب ہی شادی کرے گا۔ جب خود سروش بھی شادی کے لئے رضامند ہو گی۔ لیکن وہ کس کے لئے رضامند ہو جاتی، کس کے لئے ہاں کر دیتی، کون تھا؟ جو اس کا ہاتھ تھام لیتا۔ عمر کے اس دور میں وہ کسی کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کو ذہنی طور پر تیار نہیں تھی۔

زندگی کا سنہرا دور گزر گیا تھا۔ روشنی کی کرنیں اسے چھوتی ہوئی دور نکل گئی تھیں۔ دور اڑتے ہوئے جگنوؤں کو مٹھی میں لے لینے کی خواہش لاحاصل تھی۔



نازش کے آ جانے سے گھر میں بہار آ جاتی تھی۔ ہنسی مذاق' شوخیاں اور قہقہے سونے گھر کو جنت بنا دیتے تھے۔ اس کے چلے جانے سے وہ بعض اوقات بڑی تنہائی سی محسوس کرتی تھی۔ وہ اس کے بہت قریب تھی۔ جب راجہ کہیں باہر ہوتا۔ جگنو اپنی دلچسپیوں میں مگن ہوتا۔ امی باورچی خانے میں مصروف ہوتیں تو وہ گھنٹوں کھڑکی میں کھڑی نہ جانے کیا سوچتی رہتی۔

اک عجیب سی اداسی سارے وجود میں سرایت کر جاتی۔ اردگرد گہرا سناٹا چھا جاتا۔ تنہائی کا اک جال سا چاروں طرف پھیلتا ہوا نظر آتا۔ ایسے میں دل آپ ہی آپ کسی ایسے ساتھی کی قربت کی آرزو کرتا جو ان تنہائیوں کو مٹا دے۔ کوئی ایسا ہم نشیں جو روح کی اس پژمردگی کو شگفتگی میں بدل دے۔ کوئی ایسا ہم راز جو زندگی کے وجود میں ہلچل سی پیدا کر دے۔

ایسے میں اسے نازش بہت یاد آتی۔ وہ ایسے اداس ماحول میں زندگی بھر دیتی تھی۔ کوئی ادھر ادھر کی بات لے بیٹھتی۔ کوئی قصہ چھیڑ دیتی۔ ریڈیو پر کوئی اچھا سا نغمہ لگا دیتی۔ کسی رسالے میں سے کوئی خوبصورت ٹکڑا' کوئی دلفریب نظم پڑھ کر سناتی اور کچھ نہیں تو کسی نئی ڈش کو ہی آزمانے لگتی۔ اسی لئے جب نازش آ جاتی تھی تو وہ بہت خوش رہتی تھی۔ خود کو بہت تر و تازہ محسوس کرتی تھی۔ یوں جیسے ماضی کے البیلے دور میں واپس پلٹ آئی ہو۔ نازش کے پاس ہزاروں باتیں سنانے کو ہوتیں۔ اپنے گھر کی باتیں' سلمان



کی باتیں' اپنے بچے کی ننھی اور معصوم پیاری باتیں اور دوسری سینکڑوں باتیں۔

وہ آ جاتی تھی تو گھر کی فضا جاگ اٹھتی تھی۔ اک انوکھی سی چہل پہل ہر طرف نظر آتی تھی۔ عموماً سلمان بھی اس کے ساتھ ہوتا۔ وہ بہت اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ راجہ اور جگنو کے ساتھ اس کی خاصی دوستی تھی۔ وہ اس سے بھی بے تکلف تھا اور نازش کی بیٹی پنکی تو اس کی دیوانی تھی۔

وہ یونہی کسی کام سے بازار تک گئی۔ نازش کی بیٹی پنکی بھی ضد کر کے اس کے ہمراہ چل پڑی تھی۔ لیکن اب اسے کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا۔ سوال پر سوال کر کے اس نے سروش کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ اسے ساتھ لا کر پچھتا رہی تھی۔ اس نے نہ تو اچھی طرح سے خریداری کرنے دی اور اب اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ بار بار کہہ رہی تھی کہ اسے گود میں اٹھا لیا جائے یا کوئی سواری لی جائے۔ اسے شاید جوتا بھی کاٹ رہا تھا۔



سروش اسی فکر میں تھی کہ کوئی ٹیکسی وغیرہ مل جائے تو کسی طرح گھر پہنچے۔ اسی انتظار میں وہ فٹ پاتھ پر کھڑی تھی کہ سنہری بالوں والی ایک گڑیا سی بچی بھاگتی ہوئی اس کے قریب سے گزری۔ وہ ہنستی ہوئی بار بار پیچھے دیکھ رہی تھی۔ جیسے کوئی اس کے پیچھے آ رہا ہو۔ اچانک وہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ اس کا خوبصورت فراک مٹی میں بھر گیا تھا۔ سروش نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا اور اس کے کپڑوں سے مٹی جھاڑی۔ بچی گھبرا کر رونے لگی اور بار بار پاپا۔ پاپا پکارنے لگی۔

سروش نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ اس کا باپ کہاں ہے؟ اتنے میں اک لمبے تڑنگے انگریز نے آ کر اسے گود میں اٹھا لیا اور تیز تیز انگریزی بولتا ہوا بچی کو بہلانے

لگا۔ سروش نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اسی وقت اس نے بھی سروش کی طرف دیکھا۔ حالانکہ اس کی وضع قطع خاصی بدل چکی تھی لیکن سروش اسے کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ وہ اسے صدیوں بعد بھی پہچان سکتی تھی۔ وہ اسے ہزاروں چہروں میں بھی شناخت کر سکتی تھی۔ وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں دھیرے سے بڑبڑائی۔ ''عامر!''

وہ بھی اسے پہچان گیا تھا۔ حیرانی سے پلکیں جھپک کر وہ بڑی بے تکلفی سے صاف اردو میں بولا۔ ''ارے سروش! یہ تم ہو؟''

سروش حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہی وہ شخص تھا جسے اس نے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا۔ اس کی کیفیت عجیب سی تھی۔ اسے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے ایک عرصے بعد دیکھ کر کیا محسوس کر رہی ہے۔



''اوہو' ایک عرصے بعد تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ بھئی میں تو تمہارے گھر بھی آنا چاہتا تھا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ شاید تمہارے گھر والے پسند نہ کریں۔'' اس نے جلدی جلدی بولتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ ''بھئی تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی مجھے دیکھ کر۔''

سروش اب بھی خاموش تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا بات کرے۔ اسے کیا کہے' کہنے کے لئے تو کچھ بھی نہیں تھا۔ دل میں ایسا کوئی جذبہ نہیں تھا جو الفاظ میں اجاگر ہو جاتا۔

وہ ہنس کر بولا۔ ''سروش! تم نے تو شاید بات نہ کرنے کی قسم کھالی ہے۔ شاید ناراض ہو مجھ سے' لو میری بیٹی سے تو ملو۔'' یہ مونا ہے۔'' ''مونا آنٹی کو ہیلو کہو۔'' اس نے بچی سے انگریزی میں کہا۔





بچی نے بڑی خوبصورتی سے گلابی ہونٹوں کو جنبش دی اور گہری نیلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''ہیلو آنٹی! ہاؤ ڈو یو ڈو۔'' سروش نے مسکرا کر پیار سے اس کے گال کو چھو دیا۔ عامر نے کہا۔ ''سروش! اگر تم لوگ برا نہ مناؤ تو میں آئرس کو تمہارے یہاں لاؤں وہ یہاں کا گھریلو ماحول دیکھنا چاہتی ہے۔ اسے خصوصاً تم سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ وہ شاید اپنا اور تمہارا موازنہ کرے گی۔'' وہ ہنسا۔ ''عجیب خبط ہوتا ہے عورتوں کو بھی' وہ میری پہلی محبت کو دیکھنا چاہتی ہے۔''

سروش کے دل میں پھانس سی اتر گئی۔ یہ لفظ اس کی زبان پر کتنا بے رونق اور بے معنی معلوم ہو رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے اسے کوئی گالی دے دی ہے۔

وہ اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی بولا۔

''بھئی تم نہ تو ہوں کرتی ہو نہ ہاں' میں ہی بولے جا رہا ہوں۔ شاید تم بہت ناراض ہو۔ لیکن سروش تم سمجھ دار ہو۔ تم تو جانتی ہو کہ ماحول کے بدل جانے سے مزاج میں کتنی تبدیلیاں آتی ہیں۔ پچھلے فیصلوں پر ایک بار پھر سوچنا پڑتا ہے۔ وہاں کی زندگی یہاں سے بہت مختلف ہے۔ ماحول میں بڑا فرق ہے۔ میرا تو یہاں آنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔'' وہ بیزاری سے بولا ''کیسا عجیب و غریب ماحول ہے۔ یہاں کوئی فرق ہی نہیں پڑا اتنے سالوں میں' اب تک وہی گندگی' وہی گھٹن' بس بہت عجیب و غریب فضا ہے۔'' اس نے شانے اچکائے۔

سروش کو وہ اس طرح کہتا ہوا بہت برا لگا۔ وہ چپ نہ رہ سکی قدرے تلخی سے بولی۔ ''آپ تو اس طرح باتیں کر رہے ہیں جیسے وہیں پیدا ہوئے تھے۔''

''ارے۔'' وہ بے انتہا محظوظ ہوا۔ ''تم تو اب تک ویسی ہی جذباتی ہو۔ بھئی

یہی تو غلطی ہو گئی کہ وہاں پیدا نہیں ہوا۔ اچھی بھلی صورت کے ہوتے ہوئے اب بھی کالے ہی کہلاتے ہیں۔''

''کیا ضرورت تھی آپ کو یہاں آنے کی؟'' سروش نے جل کر کہا۔

''میں تو شاید نہ ہی آتا مگر آئرس کی ایک ہی ضد تھی۔ اسے میرا ملک دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ پتہ ہے وہ اس ملک کو خوابوں کی سرزمین کہتی ہے۔'' وہ تمسخر سے ہنسا۔

''میں نے کہا' لو دیکھو اپنے خوابوں کی سرزمین۔''

سروش کو بہت غصہ آیا۔ وہ اسے گردوپیش کا اور اس کا اپنا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے برہمی سے کہا۔ ''اگر آپ اس ملک سے ناطہ توڑ ہی چکے ہیں تو اس کا مذاق اڑانے کا بھی آپ کو حق نہیں۔'' اس کے انداز پر وہ زور سے ہنس پڑا۔ ''بھئی ٹھیک کہتے ہیں۔ وہاں کے لوگ مشرقی لوگ بڑے جذباتی ہوتے ہیں۔''

بچی اس کے گلے میں بازو ڈال کر اسے چلنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ عامر نے بے تکلفی سے سروش کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''اتنے دنوں بعد تمہیں مل کر بہت خوشی ہوئی سروش! پر یہ مونا بہت بور کر رہی ہے۔ اچھا بھئی چلتے ہیں۔'' وہ پھر بچی سے انگریزی میں بولا۔

سروش ہونٹ دانتوں تلے دبائے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ حیرت سے اور افسردگی سے سوچتی رہی کہ کیا اس شخص سے کبھی اس نے محبت کی تھی۔ وہ چلنے ہی والا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ سروش کے قریب کھڑی ہوئی پنکی پر پڑ گئی۔

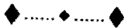
''ارے سروش!'' یہ تمہاری بیٹی ہے؟ کتنی پیاری ہے۔ اس نے رسماً پنکی کا گال تھپتھپایا۔ ''اچھا کیا تم نے بھی شادی کر لی۔ یہاں پتہ نہیں کون کہہ رہا تھا کہ تم نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ عجیب لوگ ہیں یہاں کے' یونہی افواہیں پھیلایا کرتے ہیں۔''





سروش سن سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس میں تردید کا حوصلہ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ اسے اتنا بھی نہیں بتا سکی کہ اس نے کسی کا ہاتھ نہیں تھاما۔ کسی کو زندگی کا ساتھی نہیں بنایا۔ اس کے انکار کی سزا وہ اکیلی بھگت رہی ہے۔ اس کی بے وفائی کا داغ اس نے تنہا اٹھایا ہے۔ اس نے تنہا اپنی ذات پر ناکردہ الزامات جھیلے ہیں۔

آج بھی نہ چاہتے ہوئے چپکے چپکے اس کی یاد دل کے کسی نہ کسی گوشے میں چپکے سے ابھر آتی ہے۔ کتنی ہی بے خواب راتوں میں' اس نے ستاروں سے اس کا نام لکھا ہے۔ اسے خوابوں میں دیکھا ہے۔ اس کے بارے میں پہروں سوچا ہے لیکن اس کی سرد مہری اور لاابالی انداز نے دل کے شیشے کو چکنا چور کر دیا تھا۔ وہ مبہم سے تصورات' وہ دھندلائی ہوئی سی آرزوئیں' وہ موہوم امیدیں ایک بار پھر اپنی چھب دکھلا کر اس کا سب کچھ چھین لے گئی تھیں۔ وہ اس ایک لمحے میں ہی ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ ساری کائنات جیسے گھوم رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سب کچھ لٹ گیا ہے۔ کچھ بھی پاس نہیں رہا۔ وہ تنہا تھی اور زندگی کی طویل شاہراہ!!!



''آپی! اٹھ بھی جائیں میں تو تیار ہوں بالکل۔'' نازش نے شاید تیسری بار اسے جھنجھوڑا تھا۔ اس نے کسلمندی سے آنکھیں کھولیں۔ وہ شوخ رنگوں کی ساڑھی میں بڑی پرکشش لگ رہی تھی۔

''میرا موڈ نہیں۔'' اس نے کروٹ بدلی۔ ''تم ہو آؤ۔''

''واہ موڈ کیوں نہیں۔'' وہ برا مانتے ہوئے بولی۔

''بھلا اب میں روز روز آؤں گی۔ چلئے اب اٹھ جائیے۔'' وہ اصرار کرنے لگی۔

آج کالج میں ''اولڈ گرل ڈے'' تھا۔ ان دونوں کے نام بھی دعوت نامہ آیا تھا۔ سروش تو کبھی اس تقریب میں نہیں جاتی تھی لیکن نازش نے تو دیکھتے ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ ضرور جائے گی اور اسے بھی ساتھ لے کر جائے گی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو زندگی سے پورا لطف اٹھانا جانتے ہیں۔ اسی لئے وہ صبح سے تیاریوں میں مگن تھی اور بہت خوش تھی کہ پرانی دوستوں سے ملاقات ہو گی۔

سروش کا دل بجھ سا گیا تھا نہ جانے کیوں دل کے کسی نہاں گوشے میں موہوم سا احساس' ایک مبہم سی امید اب بھی باقی تھی کہ شاید اب بھی عامر کے دل میں اس کی یاد ہو گی۔ شاید اب بھی اس کا تصور اس کے ساتھ ہو گا۔ شاید وہ اپنے اس فعل پر نادم ہو گا۔ شاید کبھی زندگی کی راہوں میں اس سے سامنا ہو گا تو وہ اس کے بغیر بیتے ہوئے لمحوں کی اذیت ناک کہانی کہے گا۔ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اس کو بھلانے کی کوشش میں اپنی ناکامی تسلیم کرے گا۔ اپنی زندگی کی محرومیوں کی داستان سنائے گا۔

لیکن اس کی سرد مہری سے دل پر قیامت گزر گئی تھی۔ اس قیامت نے اس کی آنکھوں کے آنسو بھی چھین لئے تھے۔ اس کی تاب گویائی' اس کی آن' اس کی انا' اس کا مان سبھی کچھ تو اک پل میں لٹ گیا تھا۔ اس کی جھولی خالی تھی۔ اس کا دامن تار تار تھا۔

''بھئی اس آفت کی پرکالا کو مجھ پر نہ چھوڑ جانا۔'' سلمان بھی وہیں آ گیا اور نازش سے پنکی کے بارے میں بات کرنے لگا۔

''ایک دن ذرا دیکھ بھال کر لیں گے تو کیا ہو جائے گا۔'' نازش نے پلٹ کر



جواب دیا۔

''ناشی تو ہو آ۔ میں پنکی کو گھر رکھ لوں گی۔'' سروش نے مڑ کر دونوں کی طرف دیکھا۔

''ارے ارے نہیں آپی!'' سلمان نے کہا۔ ''بھلا آپ کیوں نہ جائیں۔ میں تو ذرا ناشی کو تنگ کر رہا تھا۔''

''نہیں سلمان' بس موڈ نہیں ہے۔'' اس نے ٹالنا چاہا۔

''بھئی آپی! موڈ تو عموماً نہیں ہوتا یہ تو بنانا پڑتا ہے۔'' سلمان نے کہا۔

''بس آپ اٹھ جائیں۔ موڈ بعد میں بنتا رہے گا آرڈر پر۔'' نازش نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

سلمان بھی اصرار کرنے لگا۔ اسے مجبوراً اٹھنا ہی پڑا۔ بے دلی سے تیار ہوئی اور اس کے ساتھ چل پڑی۔ کالج پہنچیں تو بڑی گہما گہمی تھی۔ کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔ پرانی کلاس فیلوز کو دیکھ کر برسوں پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ خوشگوار اور دل خوش کن یادیں' انوکھی شرارتیں' وہ بے فکری کے نرالے دن' جب کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ کوئی فکر نہیں تھی۔ زندگی دلکش' خوشگوار اور اپنی اپنی سی تھی۔ ایک طویل عرصے بعد ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی تھی۔

اکثر دھان پان سی لڑکیاں بھاری بھرکم بیگمات میں بدل گئی تھیں۔ نازش اپنی دوستوں میں گھل مل گئی۔ سروش نے بھی دور سے اپنی کچھ کلاس فیلوز کو دیکھ لیا تھا۔ قریب پہنچی تو سب نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا اور اسے پہچان کر سب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

ملنے ملانے سے فارغ ہو کر سب اطمینان سے بیٹھ گئیں تو وہی مقبول عام موضوع شروع ہو گئے۔ گھر سسرال شوہر اور بچے' سروش کو اس قسم کا کوئی خوشگوار یا

ناخوشگوار تجربہ نہیں تھا۔ وہ ان کی گفتگو میں شریک نہیں ہو سکتی تھی' نہ جانے کیوں وہ کچھ جھینپ سی رہی تھی۔ اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ خاموش بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی اور نہ جانے کیا سوچتی رہی۔

عفت نے اسے خاموش دیکھا تو اس کے گال پر چٹکی لے کر بولی۔ ''ارے سروش کی بچی تو کیسی گھنی بنی بیٹھی ہے کچھ تو بول۔''

شمی نے اس کی کمر میں ٹھوکا دیا۔ ''اسے کیسا ہے تیرا میاں' وہ اتنی سمارٹ بیوی کے نخرے اٹھاتے نہیں تھکتا ہوگا۔''

سروش ٹپٹا گئی کہ ان کے جواب میں کیا کہے کہ ساجدہ نے پوچھا۔ ''اے سروش کیا نسخہ ہے تیرے پاس' ہمیں بھی اس سمارٹنیس کا راز بتا دے۔ ہم دیکھ تو کیسے موٹے ہو رہے ہیں کہ چلنا پھرنا دوبھر ہے۔''

وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ شائستہ جو اس سے ملتی رہتی تھی جلدی سے بولی۔ ''اس کی سمارٹنیس کا نسخہ تو بس ایک ہی ہے کہ چار پانچ لاکھ کے شہر میں یہ اب تک کنواری ہے۔''

''نہیں۔'' سب نے بے یقینی سے اس کی طرف یوں دیکھا کہ وہ چور سی بن گئی۔ اسے اپنا آپ بڑا کم مایہ سا معلوم ہوا۔ وہ اس سے بار بار پوچھ رہی تھیں کہ اس نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی۔ اس نے مشکل سے سب کو ٹالا تو سب نے اسے فرداً فرداً نصیحتیں کیں۔ کچھ نے اپنے شوہر کے دوستوں اور رشتہ داروں کے رشتے بھی پیش کر دیئے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے زندگی بیکار ہی گزار دی ہے۔

گھر آئی تو طبیعت بہت بوجھل تھی۔ وہ بڑی ہی پژمردہ اور مغموم ہو رہی تھی۔ وہ اپنی دوستوں کی طرح طرح کی باتوں سے بڑی پریشان ہوئی تھی۔ وہ سب اسے یوں دیکھ رہی تھیں جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔ ان کے انداز' ان کے لہجے سے ایک ترحم آمیز کیفیت



کا اظہار ہوتا تھا۔ بعض کی آنکھوں میں اس نے شکوک وشبہات کے عکس بھی دیکھے تھے۔ ان کی سوالیہ نگاہوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ایک عجیب سے احساس محرومیت نے اسے خوش وخرم اور شگفتہ محفل میں بڑا تنہا اور الگ تھلگ کر دیا تھا۔

پریشان کن سوچوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ وہ کیا کرے' کہاں جائے؟ اس کے تپتے ہوئے وجود کے لئے کہیں شبنم ایسی ٹھنڈک اور تازگی نہیں تھی۔

نازش کپڑے بدل کر اس کے پاس آ گئی اور محتاط سے لہجے میں بولی۔ ''آپی! وہاں سب لڑکیاں کہہ رہی تھیں کہ تمہاری آپی کی شادی اب تک کیوں نہیں ہوئی۔ بڑا عجیب سا لگتا ہے۔ بھلا انہیں کیا بتایا جائے۔ میں نے تو کہہ دیا ہے کہ آپی کی منگنی ہونے والی ہے۔ شادی بھی ہو جائے گی۔''

سروش نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا بات ہے ناشی' فضول میں ہی۔''

''نہیں نا آپی! اب کیا کریں۔ آپ بھی تو کچھ نہیں سوچتیں۔ لوگ خواہ مخواہ باتیں بناتے ہیں۔ میری مانیں تو بس اب شادی کر ہی ڈالیں۔'' وہ پلکیں جلدی جلدی جھپکتے ہوئے بولی۔

''کیا مصیبت ہے؟ یہ شادی' شادی۔'' سروش نے چڑ کر کہا۔ ''کیا اس موضوع کے سوا کوئی دوسرا موضوع نہیں۔'' اس نے تلخی سے کہا اور کروٹ بدل لی۔

نازش شاید کچھ دیر اس کے قریب کھڑی رہی پھر چپ چاپ چلی گئی۔



سروش آفس میں بیٹھی کام کر رہی تھی کہ چپڑاسی نے اطلاع دی کہ اسے کوئی خاتون ملنا چاہتی ہیں۔

''اس وقت کون آ سکتا ہے۔'' وہ یہی سوچتی ہوئی اس کے ساتھ باہر آئی۔ ریسیپشن میں صدف کھڑی تھی۔ وہ اسے یہاں دیکھ کر حیران ہوئی۔

''ارے صدف!'' وہ اس کے قریب آ کر خوشدلی سے بولی۔ ''تم کیسے؟''

صدف نے کچھ بھی نہیں کہا اور اسے گلے لگا لیا۔ سروش نے گھبرا کر اس کا سر شانے سے ہٹایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''صدف کیا ہوا ہے؟'' اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ نہ جانے اسے کیوں یقین سا ہو چلا تھا کہ وہ کوئی بری خبر لے کر آئی ہے۔

''کچھ بتاؤ تو سہی نا۔'' اس نے پھر پوچھا۔

''میں آپ کو لینے آئی ہوں۔ سروش پلیز میرے ساتھ چلئے۔ دیکھئے انکار نہ کیجئے گا۔'' وہ لجاجت سے بولی۔

''لیکن کہاں؟'' سروش نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''بھیا بہت بیمار ہیں سروش! ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ وہ بیہوشی میں آپ کا نام لیتے ہیں۔ سروش پلیز! آپ ایک بار تو چلئے۔ صرف ایک بار' ان کی زندگی کا سوال ہے۔''

سروش سناٹے میں آ گئی۔ وہ مخبوط الحواس سی کھڑی ٹکر ٹکر اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ صدف نے اسے جھنجھوڑ دیا۔ ''سروش!'' خدا کے لئے' ان کے لئے نہیں تو میرے لئے صرف میری خاطر۔''

سروش اس کی طرف یوں دیکھتی رہی جیسے خواب کے عالم میں ہو۔ وہ اس ایک لمحے میں سب کچھ بھول گئی تھی۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ وہ صرف عاصم کو بچا لینا چاہتی تھی۔ وہ اسے زندہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے صدف کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''چلو صدف میں چلتی ہوں۔ ابھی تمہارے ساتھ''



وہ آفس میں اطلاع دے کر صدف کے ساتھ ہی کار میں بیٹھ گئی۔ راستہ بھر دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ دونوں نہ جانے کیا سوچ رہی تھیں۔ صدف سارا وقت شیشے سے باہر دیکھتی ہوئی اپنی آنکھیں خشک کرتی رہی۔

گھر پہنچ کر صدف تیزی سے کار میں سے نکلی۔ اس کا بازو پکڑا اور تقریباً بھاگتی ہوئی اسے اندر لے آئی۔ ایک کمرے سے باہر رک کر اس نے سروش کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ سروش متذبذب سی کھڑی رہی تو صدف نے اس کا شانہ ہلایا۔

''کیا سوچ رہی ہیں چلئے نا۔'' وہ سرگوشی میں بولی اور اسے اندر دھکیل دیا۔

وہ مبہوت سی وہیں دروازے میں پردہ پکڑے ہوئے کھڑی رہی۔ سامنے ہی پلنگ پر عاصم ایک کروٹ سے لیٹا تھا۔ قدموں کی آہٹ سے اس نے پلٹ کر دیکھا اور ایک دم اٹھ بیٹھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی چمک تھی۔

''زہے نصیب' آیئے نا تشریف لایئے۔''

سروش کو اسے دیکھ کر قدرے حیرت ہوئی۔ وہ کسی طرح بھی ایسا مریض معلوم نہیں ہو رہا تھا جس کی حالت خطرے میں ہو یا جسے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہو۔



وہ کچھ الجھ سی گئی۔ نپے تلے قدم رکھتی۔ اس کے بستر تک آ گئی اور آہستگی سے بولی۔ ''آپ کو آرام کرنا چاہئے۔'' وہ اس کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''کیوں؟ مجھے کیا ہوا؟'' عاصم نے دلچسپی سے پوچھا اور اس کی طرف ہنستی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ سادہ سی پھولدار ساڑھی میں وہ الجھی ہوئی سی کھڑی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ عاصم نے مسکرا کر کہا۔ ''میں اس التفات کو کیا سمجھوں۔''

سروش نے مشکوک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ تو اچھا بھلا تندرست بیٹھا۔ بڑے مزے سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کا شک یقین میں بدلنے لگا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھی اور طنزیہ سے لہجے میں پوچھنے لگی۔ ''آپ کی تو طبیعت بہت خراب تھی۔''

''میری طبیعت؟'' اس نے حیرانی سے استفسار کیا۔

''جی ہاں' آپ کی طبیعت۔'' سروش نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''کس نے کہا آپ سے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''صدف نے۔''

''اچھا؟'' وہ بولا پھر جیسے خود سے کہنے لگا۔ ''صدف نے آپ کو بتایا کہ میری طبیعت خراب ہے۔'' اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر جیسے بڑا محظوظ ہوتا ہوا بولا۔

''میری بہن نے کہا ہے تو پھر انہوں نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ آپ کا یہ التفات' یہ نوازشات حاصل ہو سکیں تو میں زندگی بھر بستر پر پڑنے کو تیار ہوں۔'' وہ مسکرایا۔ ''لیجئے



آپ جانئے کہ ہم بہت بیمار ہیں۔'' اس نے ہنس کر پلنگ کی پشت سے سر لگا لیا۔

سروش کو یقین ہو گیا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ اسے فریب دیا گیا ہے۔ کسی سوچی سمجھی سکیم کے تحت اسے یہاں لایا گیا ہے۔ اس نے بھی تو صدف کی بات پر فوراً یقین کر لیا تھا۔ بغیر سوچے سمجھے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ عاصم جیسے عیاش آدمی کے لئے ایسے بہانے گھڑ لینا کون سا مشکل تھا۔ وہ ٹپٹا گئی۔ کچھ ندامت' کچھ جھنجھلاہٹ اور غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے گھور کر عاصم کی طرف دیکھا اور ناگواری سے بولی۔

''آپ کو اپنی اس حرکت پر شرم آنی چاہئے۔''

''ہمارا قصور؟'' وہ بڑی سادگی سے بولا۔

''قصور۔'' سروش اس کے تجاہل عارفانہ پر جھلائی۔

''یہ کیا کم گھٹیا حرکت ہے کہ آپ نے اپنی بیماری کا جھوٹا ڈھونگ رچایا ہے۔ مجھے جھوٹی اطلاع بھیجی ہے۔ میں تو آپ جیسے انسان کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔''

وہ غصے سے بولتی چلی گئی۔ ''پتہ نہیں آپ اپنی ان حرکتوں سے باز کیوں نہیں آ جاتے۔ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ آپ دوسروں کی عزت کو اتنا سستا کیوں سمجھتے ہیں۔''

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور اسے بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔

''سنئے' میری بات سنئے۔''

''نہیں سننا ہے مجھے کچھ۔'' اس نے تلملا کر اس کا ہاتھ جھٹکا۔

''میں جا رہی ہوں۔''

''آپ نہیں جائیں گی۔'' وہ تحکمانہ لہجے میں بولا۔ ''جب تک آپ کی غلط فہمی دور نہیں ہو جاتی آپ نہیں جائیں گی۔''

◆......◆......◆

"آپ مجھے نہیں روک سکتے۔ میں ابھی جاؤں گی۔" اس نے غصے سے کہا۔ وہ اس صورت حال سے بہت پریشان ہو رہی تھی۔

"آپ میری بات سنے بغیر نہیں جاسکتیں۔" عاصم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اس کا بازو پکڑ کر اسے ایک کرسی پر دھکیل دیا۔ اس کے کسی ردعمل کا انتظار کئے بغیر بولا۔

"آپ یقین کیجئے کہ مجھے اس کی مطلق خبر نہیں کہ صدف نے آپ سے کیا کہا؟ کیوں کہا؟ نہ ہی مجھے اس قسم کی غلط بیانی پسند ہے۔ لیکن آپ مجھے اتنا بتائیے کہ آپ اس شخص کی مزاج پرسی کو کیوں چلی آئیں جس کی آپ صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتیں۔"

سروش کو اس کی توقع نہیں تھی۔ ایک لمحے کو وہ بھونچکی سی رہ گئی۔ لیکن اس پر کچھ ظاہر کئے بغیر درشتی سے بولی۔ "مجھے صدف نے مجبور کیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ آپ کی حالت خطرے میں ہے۔" اتنا سا فقرہ مکمل کرنے میں وہ ہانپ گئی۔ صدف نے ہی مجھے مجبور کیا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ وہ بہت پریشان تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ آپ کی زندگی کا سوال ہے۔ آپ' آپ' آپ بے ہوشی میں میرا نام لیتے ہیں۔" وہ یوں جلدی جلدی بول رہی تھی جیسے کوئی کچا چور اپنی صفائی میں جھوٹے بہانے گھڑ رہا ہو۔

"چہ خوب؟" عاصم کھل کر مسکرایا۔ "صدف نے کہا کہ میں بے ہوشی میں آپ کا نام لے رہا ہوں اور آپ پھر بھی چلی آئیں۔ سروش آپ نے یہ نہیں سوچا کہ عالم نزع میں مریض کا کسی خاتون کا نام پکارنا کتنا معیوب ہے؟"

اس کے مضحکہ اڑانے پر وہ تلملا اٹھی۔ "آپ میرا مذاق نہیں اڑا سکتے۔"



"یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔" وہ بڑے یقین سے بولا۔ "یقیناً آپ کو ناگوار تو گزرا ہوگا کہ میں مرتے مرتے بھی آپ کا نام لینے سے باز نہیں آتا تو پھر بھی آپ چلی آئیں ہے نا عجیب بات۔"

سروش کے رگ و پے میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے اس پہلو سے تو سوچا ہی نہیں تھا۔ نامعلوم اندیشے سے وہ لرز گئی۔ عاصم اس کے قریب چلا آیا۔ "سروش' سروش آج تو مان لیجئے آج تو اقرار کر لیجئے کیوں خود پر جبر کرتی ہیں۔ یاد ہے سروش اس کمرے میں داخل ہوتے وقت آپ کس قدر پریشان تھیں۔ کوئی کسی کے لئے یونہی تو پریشان نہیں ہوتا۔"

سروش کے لئے صورت حال کا مقابلہ کرنا دشوار تھا۔ اس کے سامنے کھڑے ہوئے عاصم کی آنکھوں سے چھلکتے خلوص پر اعتماد کر لینے کو جی چاہتا تھا۔ لیکن دل کی بدگمانیاں روکتی تھیں۔ وہ شاید کوئی نئی چال چلنے والا تھا۔ کوئی نیا کھیل کھیل رہا تھا۔ اسے چنگیزی صاحب کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ اس پر اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے دل میں اتر جانے والی نظروں سے نگاہیں چرالیں اور سپاٹ لہجے میں بولی۔ "مجھے آپ کی یہ باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔ میں یہاں آئی تھی تو محض رسماً اور وہ بھی صدف کی خاطر' آپ کو کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"آپ سچ کہہ رہی ہیں۔" اس نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔ "مجھے جھوٹ بولنے کی عادت ہے نہ اس کی ضرورت۔" وہ لاتعلقی سے بولی۔ عاصم نے ایک دم اسے دونوں شانوں سے پکڑ لیا اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر بولا۔ "سروش آپ یہ سب کچھ نگاہیں جھکا کر کیوں کہہ رہی ہیں۔"

"مجھے مت چھوئیے۔" سروش نے نفرت سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے اور اس سے دور ہٹ گئی۔ "میں کوئی سوسائٹی گرل نہیں ہوں عاصم صاحب اس بار آپ کو

انتخاب میں غلطی ہوگئی۔ میں نگینہ نہیں' میں سچا موتی نہیں ہوں۔ میں ایک شریف لڑکی ہوں۔ میں آپ جیسے لوگوں کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بن سکتی۔''

''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' عاصم نے اسے جھنجھوڑ دیا۔'' میں نے آپ کو پورے خلوص سے چاہا ہے سروش!''

''جی ہاں۔'' سروش نے حقارت سے کہا۔'' آپ نے چنگیزی صاحب سے بھی میرا تعارف اسی طرح کرایا ہوگا۔ تبھی وہ میری اداؤں پر مرمٹے تھے۔ وہ مجھ سے فیض پانا چاہتے تھے۔ وہ آپ کے ذوق کی داد دے رہے تھے۔'' اس نے ہونٹ دانتوں سے کاٹ لیا۔ انہوں نے' انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا وہ مجھے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے' وہ سمجھتے تھے میں بری لڑکی ہوں۔ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔

عاصم صاحب غم و غصے کی شدت میں وہ رو پڑی۔'' آپ نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ آپ نے مجھے ذلیل کیا ہے آپ نے۔'' آپ کی تو دل لگی ہوگئی اور میری زندگی تباہ ہو جاتی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔

عاصم بت سا بنا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تاسف و حیرت سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ آہستگی سے اس کے قریب چلا آیا اور رک رک کر بولا۔'' سروش مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں۔ وہ سچ ہے۔ میں اپنی صفائی میں اس کے سوا کیا کہوں کہ آپ کی عزت میری عزت ہے۔



سروش کا غصہ سرد نہیں ہوا تھا۔ اسے پھر وہ تمام واقعہ یاد آ گیا تھا۔ وہ عاصم کو کبھی معاف نہیں کرسکتی تھی۔ تنک کر بولی۔'' وہ تو آپ کی فیاضی کی بڑی تعریف کررہا تھا۔ آپ کا بھرم کھل گیا ہے عاصم صاحب! آپ کا کچا چھٹا مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ میں



آپ کی عیاشیوں میں حصہ دار نہیں بن سکتی۔ میں'

''سروش!'' عاصم نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ آپ مجھے مجبور کررہی ہیں کہ میں ان باتوں کا تذکرہ کروں جنہیں میں زبان پر لانا گوارا نہیں کرتا لیکن آپ کہلوائے بغیر نہیں رہیں گی۔ تو سنئے وہ چنگیزی صاحب مجھے بھی مل چکے ہیں اور انہی کا دعویٰ ہے کہ آپ ان سے وابستہ رہ چکی ہیں اور وہ چند لمحے خاموش ہوا۔

سروش نے ہکا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ کہتا گیا انہوں نے عدنان صاحب اور کچھ دوسرے لوگوں کا نام بھی لیا تھا۔ سروش ایسی اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن کا میں ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ وہ اس کے قریب آ گیا اور مفاہمت کے انداز میں بولا۔'' مجھے دوسروں سے زیادہ اپنے دل پر اعتماد ہے۔ مجھے کوئی آپ سے بدظن نہیں کرسکتا۔ سروش آپ کو معلوم ہے کہ چنگیزی صاحب حمیرا کے قریبی حلقے میں سے ہیں۔ وہ خاص طور پر آپ کے لئے اس آفس میں بھیجے گئے کہ ایسی ہی غلط فہمیاں پیدا کریں۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کو میری وجہ سے اس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا۔

''سروش! کیا مجھے آپ معاف نہیں کریں گی؟''

سروش جو سناٹے کی سی کیفیت میں عاصم کی بات سن رہی تھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔'' سروش اپنا دل صاف کر لیجئے۔ پلیز بدگمانیاں دور کر لیجئے جو کچھ ہوا وہ حمیرا صاحبہ کی عنایت تھی۔ لیکن اب ان کی طرف سے بےفکر رہیے۔ وہ ایک رئیس سے شادی کر چکی ہیں۔ ہمارے پیچھے ہی یورپ آئی تھیں۔ ملاقات ہوئی تھی۔

◆......◆......◆

آپ کے بارے میں انہوں نے بہت کچھ کہا۔ مگر خیر چھوڑیئے۔ ان باتوں کو اور یہ سوچئے کہ اس تمام بے ضرر سے جھوٹ میں جو بات سب سے اچھی ہے۔ وہ یہ کہ دلوں کے رابطے' ان کے بندھن اتنے کچے نہیں ہوتے کہ پل بھر میں ٹوٹ کر بکھر جائیں۔ کوئی بات تو تھی ناں جو آپ کو یہاں تک لے آئی۔''

سروش اس کی مسحور کر دینے والی نگاہوں سے پگھلی جاتی تھی۔ وہ چند قدم قریب آیا اور اس کی ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر اس کا جھکتا ہوا گلابی چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''سروش اپنے دل کی پیاری سی بات مان لیجئے۔'' اس کا میٹھا ملائم لہجہ' اس کی دل میں جھانکتیں نگاہیں' سروش کو عجیب امتحان میں ڈال رہی تھیں۔ لیکن انکار کو اقرار میں بدلنا جیسے زندگی موت کا سوال بن گیا تھا۔ راہ میں اس کی خودداری' اس کی عزت نفس مائل تھی۔

متضاد جذبات کی یورش سے وہ گھبرا سی گئی۔ سر جھٹک کر وہ جیسے خود سے بولی۔ ''نہیں ...... میں اعتبار نہیں کر سکتی!''

اس کی اپنے آپ سے یہ سرگوشی عاصم نہیں سن سکا۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ '' پلیز! مجھے جانے دیں۔'' سروشی نے بمشکل کہا۔ اسے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ایک پل بھی یہاں رک گئی تو نہ جانے کیا ہو جائے گا۔ عاصم نے کچھ نہیں کہا۔ چند لمحے ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے بولا۔ '' آپ جانا چاہتی ہیں تو شوق سے جایئے۔ لیکن آپ میری زندگی سے' میرے دل سے کبھی نہیں نکل سکتیں۔''



◆......◆......◆

سروش اتنی پریشان کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جذبات کی دنیا کبھی اتنی عجیب' پیچیدہ اور ناقابل فہم نہیں ہوئی تھی۔ لمحوں کی بھول بھلیوں میں وہ جیسے بھٹکتی پھرتی تھی۔ لیکن کوئی راستہ نہیں ملتا تھا۔ اس کی انا کی چٹان اس کی راہ میں مائل تھی۔ خودداری کی سنگین دیواریں اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں۔ وہ اپنے چنے ہوئے راستے پر سر اٹھا کر چلنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ بار بار اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔

اس بات کو کئی روز ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی تک ذہن سے نہیں اتری تھی۔ عاصم کے سیدھے سادھے لفظ بار بار دماغ میں چکراتے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے؟ کس سے بات کرے؟ کس کی بات پر یقین کرے؟ اور کس کو جھٹلا دے؟ ہر طرف دھند سی چھائی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

اچانک ایک روز رضی بھیا آ گئے اور اس کی طرف دیکھ کر بولے۔ ''بہت دن ہو گئے تھے تم سے ملے ہوئے۔ سوچا ذرا جا کر دیکھ آؤں کہ ایک سرپھری لڑکی کیا کر رہی ہے۔ جس کے منہ پر بارہ بج رہے ہیں۔''

سروش ہنس پڑی۔ ''یونہی نہ کہا کریں رضی بھیا!''

''یونہی نہیں کہہ رہا۔ یہ بات سو فیصد درست ہے۔''

''کیا بات؟'' سروش نے پوچھا۔

''کہ اب تمہارے منہ پر ساڑھے بارہ بج گئے ہیں۔ ویسے مذاق کی بات اور ہے مگر سچ پوچھو تو واقعی تم پریشان لگ رہی ہو۔ خیریت تو ہے ناں؟''

''سب خیریت ہے جناب! میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''ویسے ہی کچھ بوریت سی ہو رہی تھی۔ اچھا ہوا آپ آ گئے۔''

"تم بور ہو رہی تھی۔" انہوں نے ابرو اچکائے۔ "کیا بات ہے سروش! یہ تم بور کیوں ہونے لگی ہو؟" انہوں نے معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ بھلا آپ کبھی بور نہیں ہوتے؟"

"میری بات اور ہے لڑکی! میں تو شادی شدہ ہوں۔" انہوں نے برجستہ کہا۔

سروش کو بہت ہنسی آئی۔ وہ جواباً کچھ کہنے ہی والی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو"

"ہیلو! سروش صاحبہ سے بات کرنی ہے۔" کسی مردانہ آواز نے کہا۔

"جی فرمائیے! بول رہی ہوں۔" وہ آواز پہچان نہیں پائی۔

"سروش سنئے! میں ڈاکٹر عادل بات کر رہا ہوں۔ عاصم کا دوست شاید آپ کو یاد ہو۔ بہرحال! آپ فوراً ہاسپٹل پہنچیں۔ عاصم کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ حالت کچھ امید افزاء نہیں۔" اس نے انگریزی میں جلدی جلدی کہا۔

سروش یکدم چونکی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اسے خاموش پا کر وہ دوسری طرف سے پھر بولا۔ "مس سروش! آپ میری بات سن رہی ہیں ناں۔ فوراً پہنچنے کی کوشش کیجئے۔ کچھ دیر پہلے اسے ہوش آیا تھا۔ اس نے آپ کو بلانے کیلئے کہا ہے۔" سروش اس کی بات پر غور کرتی رہی۔ اسے صدف کی شرارت ابھی بھولی نہیں تھی۔ یہ ڈاکٹر عادل تو اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔ اب وہ اپنے حربے آزمانے پر تل گیا تھا۔ اسے غصہ آیا لیکن وہ قدرے نرمی سے بولی۔ "ڈاکٹر عادل! جناب عاصم صاحب سے کہہ دیجئے کہ ایک ہی بہانہ بار بار نہیں چلے گا۔ اب کوئی اور کہانی گھڑیں۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔





رضی بھیا! جو خاموشی سے یکطرفہ گفتگو سن رہے تھے۔ جلدی سے بولے۔

"سروش! کیا معاملہ ہے؟ یہ ڈاکٹر عادل کون ہیں اور یہ عاصم صاحب کون ذات شریف ہیں۔ یہ کیوں بار بار بہانے بناتے ہیں؟"

سروش ابھی کچھ کہہ نہیں پائی تھی کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ سروش کو یقین تھا کہ فون ڈاکٹر عادل کا ہی ہوگا۔ وہ اتنی آسانی سے ٹلنے والا نہیں تھا۔

"مس سروش! میں ایک ذمہ دار ڈاکٹر کی حیثیت سے آپ کو یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ عاصم کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو آنا چاہیے۔"

"شکریہ اطلاع دینے کیلئے۔" سروش نے خشکی سے کہہ کر ریسیور رکھنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی رضی بھیا نے ریسیور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور جلدی سے بولے۔

"ہاں بھئی! آپ کون صاحب ہیں۔ مجھے بتائیے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بدقسمتی سے میں اس بیوقوف لڑکی کا سرپرست بھی ہوں۔"

سروش فون بند کرنے کو جھپٹی لیکن رضی بھیا نے اسے پرے دھکیل دیا اور ریسیور میں چلائے۔ "بھئی یہ سروش مرنے مارنے پر تلی ہوئی ہے۔ آپ ذرا جلدی بتائیے کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟"

سروش کا بس نہیں چلا تو وہ خاموش ہوگئی اور وہ فون پر بات کرتے رہے۔ پھر انہوں نے ریسیور رکھا اور سروش سے بولے۔ "سروش! چلو اٹھو۔ میرے ساتھ چلو۔ ڈاکٹر عادل کہہ رہے ہیں کہ یہ مذاق نہیں ہے۔"

"مجھے سب پتہ ہے۔ رضی بھیا! میں نہیں جا رہی۔" وہ ایک مرتبہ پھر حماقت کر کے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"ارے بھئی! ایسی بھی کیا بات ہے۔ اگر جھوٹ ہوا تو ہم ڈانٹ ڈپٹ کر کے

واپس آ جائیں گے۔ بس اتنی سی تو بات ہے۔'' انہوں نے پھر اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''رضی بھیا! میں نے کہہ دیا ہے کہ میں نہیں جاؤں گی۔''

''لیکن میں ضرور جاؤں گا۔ پتہ تو چلے کہ آخر بات کیا ہے۔ تم بھی چلو ساتھ، ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔'' وہ اٹھ کر چل پڑے۔



سروش کے اندر عجیب کشمکش سی ہونے لگی۔ یہ رضی بھیا نے کیا کہہ دیا تھا۔ کہیں اسے پچھتانا تو نہیں پڑے گا۔ یہ بات اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔ اسے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ اگر عاصم کو کچھ ہو گیا تو پھر؟''

عجیب گومگو کے عالم میں کبھی وہ ٹہلنے لگتی۔ کبھی کھڑکی سے باہر جھانکتی اور کبھی خاموش ٹیلیفون کی جانب تکنے لگتی۔ کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اچانک اسے ایک خیال آیا اور اس نے ریسیور اٹھا کر عاصم کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔

دوسری طرف کسی نے ہیلو کہا تو اس نے جلدی سے پوچھا۔ ''عاصم صاحب سے بات ہو سکتی ہے۔''

''جی وہ تو ہوسپٹل میں ہیں۔ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔'' دوسری جانب کوئی ملازم تھا۔

ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا۔ وہ وحشت زدہ دل لئے کتنی ہی دیر بالکل چپ کھڑی رہی۔ ایک ایک کر کے عاصم کی ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ غلط فہمیوں نے دونوں کے درمیان فاصلے بڑھائے تھے اور وہ اپنی محرومیوں کا انتقام اس سے لیتی رہی تھی۔ ''اگر اسے کچھ ہو گیا تو؟''



یہ خیال ہی لرزا دینے والا تھا۔ بے اختیار اس کا جی چاہا کہ اسی وقت بنا کچھ سوچے بغیر کوئی خیال کئے بغیر اس کے پاس چلی جائے۔ ایک بار اسے بتا تو دے کہ وہ اس کے بلانے پر چلی آئی ہے۔ لیکن قدم اٹھانا محال تھا۔ سو طرح کے وسوسوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ وہ چلی جائے تو سب لوگ کیا کہیں گے۔ اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔

وہ گومگو کی کیفیت میں اسی طرح کھڑی تھی کہ دروازہ کھول کر رضی بھیا اندر آئے۔ سروش کی روح آنکھوں میں سمٹ آئی۔ باوجود چاہنے کے وہ کوئی استفسار نہیں کر پائی۔ وہ بغیر کچھ کہے وہ اس کے قریب آئے۔ انہوں نے اس کا بازو پکڑا اور اسے اپنے ہمراہ لے کر چلتے ہوئے بولے۔ ''چلو آؤ سروش!'' میں ڈاکٹر عادل کی گاڑی لے کر آیا ہوں۔ وہ شخص مر رہا ہے اور تم پتہ نہیں کون سے بدلے چکانے بیٹھی ہوئی ہو۔ اب ایسی بھی بے حسی کیا کہ انسان کو کسی کا کوئی پاس لحاظ ہی نہ ہو۔''

سروش انکار نہ کر سکی اور ان کے ساتھ ساتھ چلتی چلی گئی۔ ہوسپٹل میں صدف ان کی والدہ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ پریشان کھڑی تھی وہ دوڑ کر اس کے قریب آئی اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ''سروش! میں نے تو جھوٹ بولا تھا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ اس طرح سچ ہو جائے گا۔''

سروش کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ تسلی کیلئے ایک بھی لفظ اس کے ہونٹوں سے نہیں نکلا۔ رضی بھیا نے صدف سے معذرت کی اور بولے۔ ''آؤ سروش! ذرا عاصم صاحب کو دیکھتے ہیں۔''

سروش کو گرد و پیش کچھ بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ اس کے ذہن میں صرف عاصم تھا۔

وہ جیسے ہی اس کے کمرے کے باہر پہنچے۔ ڈاکٹر عادل دروازہ کھول کر باہر نکلا

اور طنزیہ سے لہجے میں بولا۔ ''تو آپ کو آخر اس کی حالت پر رحم آ ہی گیا۔''

''کیا میں انہیں دیکھ سکتی ہوں۔'' اس نے کانپتے لبوں سے اتنا ہی کہا۔

''اب کیا فائدہ' اب اس کے لئے صرف دعا کیجئے' دعا۔'' وہ خشکی سے بولا۔

سروش کی آنکھوں میں آنسو آپ سے آپ آئے جاتے تھے۔ جنہیں وہ بڑی کوشش سے روک رہی تھی۔ آنسوؤں کا ایک بڑا سا گھونٹ بھر کر اس نے آہستگی سے کہا۔

''پلیز' ایک منٹ کیلئے مجھے دیکھ لینے دیجئے۔''

ڈاکٹر عادل نے سر جھٹکا۔ ''آپ نے بہت وقت ضائع کیا ہے۔ کچھ پتہ نہیں وہ کب ہوش میں آئے یا۔'' اس نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

سروش کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ ہراساں سی ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور دیوار سے ٹیک لگا کر گم صم کھڑی ہو گئی۔ رضی بھائی نے ڈاکٹر عادل سے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ سروش کو دیکھنے تو دیجئے نا۔''

ڈاکٹر عادل نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''اچھا' چلئے آ جایئے۔''

لیکن وہ اسی طرح ساکت کھڑی رہی۔ جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ رضی بھیا نے اس کا شانہ چھوا۔ ''سروش! آؤ چلتے ہیں۔''

''نہیں رضی بھیا! اب کوئی فائدہ نہیں۔'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

''نہیں' نہیں آ جایئے۔'' ڈاکٹر عادل نے نرمی سے کہا اور کمرے کا دروازہ کھول کر اسے اندر لے آیا۔

عاصم سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا بستر پر خاموش پڑا تھا اس کا چہرہ زرد اور آنکھیں بند تھیں۔ وہ اس کے بیڈ کے پاس سن سی کھڑی سوچتی رہی۔ ''کاش' وہ ایک بار آنکھیں کھول کر دیکھ لے کہ وہ آ گئی ہے۔ وہ اس کے لئے کتنی پریشان ہے۔ وہ اپنی



جان دے کر بھی اسے بچا لینا چاہتی ہے۔'' لیکن کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح آنکھیں موندے ساکت پڑا رہا۔ اس کی پلک تک نہیں ہلی۔

ڈاکٹر عادل نے اس کا شانہ چھو کر اسے اشارے سے واپس چلنے کو کہا۔ وہ چونک گئی اور حیرت سے یوں اس کی طرف تکنے لگی جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔

ڈاکٹر عادل نے آہستگی سے کہا۔ ''آ جایئے مس سروش!''

سروش کی آنسو بھری آنکھوں نے بے ساختہ ایک خاموش التجا کی تو ڈاکٹر عادل نے سر ہلایا اور نرم قدموں سے باہر نکل گیا۔

سروش وہیں کھڑی عاصم کے زرد بیمار چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ پتہ نہیں کیوں' ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے زندگی میں کچھ رہا ہی نہیں' نہ کوئی آرزو' نہ تمنا' نہ کوئی مدعا' نہ مال' نہ جینے کی خواہش' نہ زندگی کرنے کی چاہ' یوں لگتا تھا جیسے سب کچھ عاصم کے ساتھ ختم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ترسی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ شاید اس کی تصویر آنکھوں میں بھر لینے کو۔

اچانک عاصم کی پلکوں میں جنبش ہوئی۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور اس کی نگاہ سروش تک آئی۔ ''سروش!'' اس کے لب ہلے۔

سروش دم بخود ہو کر اس کی طرف دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ معجزہ رونما ہو گیا تھا۔ جس کے لئے اس نے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی تھی۔

''سروش! آپ یہاں یہ کہیں کوئی خواب تو نہیں ہے۔'' وہ مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ رک رک کر بولا۔

سروش بول نہیں پا رہی تھی۔ وہ اب بھی ساکت سی کھڑی اس کی طرف ایک ٹک دیکھتی جا رہی تھی۔ دو موتیوں جیسے شفاف آنسو اس کے گلابی رخساروں پر ڈھلک

آئے تھے مگر وہ ان سے بے خبر تھی۔

"سروش! عاصم نے پکارا۔"

تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ اس نے غور سے عاصم کی طرف دیکھا۔ اسے شک ہونے لگا۔ ڈاکٹر عادل نے تو کہا تھا کہ اس کی حالت خطرے میں ہے۔ اسے اب ہوش نہیں آئے گا۔ اس کے لئے صرف دعا کی ضرورت ہے۔ لیکن اس وقت وہ آنکھیں کھولے اس کی جانب تکتا ہوا اتنا بھی بیمار معلوم نہیں ہوتا تھا۔ جس کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہوں۔

یہ خیال ایسا تھا جس نے اسے پوری جان سے جلا کر رکھ دیا۔ ہلچل مچاتے سلگتے جذبات یکدم سرد پڑ گئے۔ اس نے ایک قدم قریب آ کر سنگین لہجے میں اس سے سوال کیا۔ "عاصم صاحب! کیا واقعی آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے یا یہ کوئی ڈرامہ ہے۔"





"اوہ۔"! وہ ٹپٹایا۔ "مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا۔" آپ یقین نہیں کریں گی۔ میں نے عادل کو منع بھی کیا تھا۔ لیکن اس نے اور صدف نے میری ایک نہیں سنی۔"

سروش پوری جان سے جل گئی۔ اسے بے طرح اپنی توہین کا احساس ہوا۔ وہ ایک بار پھر ان کے ہاتھوں بیوقوف بن گئی تھی۔ وہ پھر اپنے ہی جذبوں سے ہار گئی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس پٹیوں میں جکڑے ہوئے شخص کو گولی مار دے جس نے اسے اپنی ہی نگاہوں میں حقیر کر دیا تھا۔ وہ جواب سے چند لمحے پیشتر اسے زندہ دیکھنے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھی اب اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

اس نے دانت پیس کر اس کی طرف دیکھا۔ "عاصم صاحب اب آپ مر بھی جائیں گے تو میں کبھی نہیں آؤں گی۔" غم و غصے کی شدت میں وہ بات بھی مکمل نہ کر سکی۔ اور پیر پٹختی ہوئی دروازے کی طرف چلی۔

"سروش! سروش! بات تو سنئے۔" عاصم نے کئی بار پکارا لیکن سروش نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ابھی وہ دروازہ کھولنے نہیں پائی تھی کہ دروازہ کھلا اور ڈاکٹر عادل کا چہرہ دکھائی دیا۔

"ارے مس سروش! آپ کہاں چل دیں۔" وہ اس کے عین مقابل آن رکا۔

سروش نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"ہٹ جائیے عادل صاحب! مجھ سے بات مت کیجئے۔" اس نے حقارت سے کہا۔

"عادل! انہیں روکو یہ خفا ہو کر جا رہی ہیں۔" عاصم نے نسبتاً بلند آواز میں کہا۔ لیکن اس میں نقاہت کی لرزش تھی۔

"ارے باپ رے۔" عادل اس پر پھرتی سے پلٹ کر دروازے پر جا کھڑا ہوا کہ عاصم اس کی اداکاری پر زور سے ہنس پڑا۔ سروش کو اور غصہ آیا۔

"ہم تو کسی صورت نہیں جانے دیں گے۔" وہ دروازے سے پشت لگائے بڑے مزے سے کہہ رہا تھا۔

"عادل صاحب! مجھے یہ باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔"

سروش نے تیوری چڑھا کر کہا "راستہ دیجئے مجھے۔"

"سروش! سروش! میری بات تو سنیئے۔" عادل نے بڑے پیار سے اس کا بازو پکڑا۔ "آپ ناراض کیوں ہیں اتنی۔ آخر ہوا کیا ہے۔ مجھے بتایئے تو سہی، کسی مریض کی عیادت کو آنا کوئی اتنی بری بات تو نہیں۔" اس کی زبان حسب عادت رک نہیں رہی تھی۔ وہ اسے کمرے کی طرف لے چلا۔

سروش زچ ہوگئی۔ اس نے جھلا کر اپنا بازو چھڑایا۔

"عادل صاحب! آپ مجھ سے بالکل بات نہ کریں میں جا رہی ہوں۔"

"ارے نہیں، نہیں!" عادل نے بڑی بے تکلفی سے پھر اس کے بازو میں ہاتھ ڈال دیا۔ "میں بھلا آپ سے بات کیوں نہ کروں؟ میں نے کیا قصور کیا ہے بھلا؟ میں ایسے ہی مفت میں مارا جاؤں۔ اتنا ظلم بھلا کیا کرتا ہوا۔ وہ منہ بنا کر کہہ رہا تھا۔



◆......◆......◆

سروش کو اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا تھا۔ اس پر غصے یا ملامت کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔ سروش اس قدر زچ ہو رہی تھی کہ اسے رونا آ رہا تھا۔ اس نے عادل کا بازو جھٹکنا چاہا۔ لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ لگا رہا اور اسے عاصم کے بیڈ کے قریب لے جا کر بولا۔

"دیکھئے نا مس سروش! یہ گھامڑ شخص سخت جان ہی اتنا ہے کہ ابھی تک نہیں مرا۔ ورنہ جس قدر یہ زخمی ہے اب تک تو اسے اگلے جہان سدھار جانا چاہیے۔ ویسے بھی اسے ایک ڈاکٹر کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔"

سروش نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور درشتی سے بولی۔ "عادل صاحب میں آپ کی کسی بات پر یقین نہیں کرسکتی۔ مجھے آپ پر بالکل اعتبار نہیں ہے۔"

"ہوں اعتبار نہیں بالکل۔" وہ مسکرایا۔ "چلئے پھر میں آپ کو اس کے ایکسریز دکھاؤں کہ اس کی کوئی ہڈی سلامت نہیں۔ صبح سے چار بوتل خون اسے چڑھا چکا ہوں۔ ایک آدھ بوتل خون آپ بھی دے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ گروپ کوئی سا بھی ہو یہ بڑی خوشی سے قبول کرے گا۔

سروش نے الجھ کر عاصم کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ زرد اور مضمحل تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر وہ جلدی سے بولا۔ "میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ آپ کو پریشان نہ کرے۔ لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی۔ مجھے نیند کی دوا دے دی اور آپ سے نہ معلوم کیا کچھ کہتا رہا۔ سروش مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو پریشان کیا۔"

اس نے رُک رُک کر اپنی بات مکمل کی۔ نقاہت سے اس کا سانس پھول گیا تھا۔

''مس سروش! مجھے بھی افسوس ہے کہ پتہ نہیں آپ سے کیا کہتا رہا ہوں۔ دراصل میری یادداشت بہت کمزور ہے۔'' وہ مزاحیہ انداز میں بولا۔تو سروش ٹپٹا گئی۔ کہ کس کی بات پر یقین کرے۔اور کس پر نہ کرے۔اسے تذبذب میں دیکھ کر عادل سنجیدہ ہوگیا اور بڑی بردباری سے کہنے لگا۔''سروش آپ یقین کریں اس کا واقعی زبردست ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ یہ پٹیاں وغیرہ سچ مچ کی ہیں۔البتہ خطرناک والی حالت میں نے گڑھی تھی۔ میں چاہتا تھا سروش کہ آپ اپنے بارے میں جان لیں۔خود کو سمجھ لیں۔آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ یہ شخص ہے تو نامعقول۔لیکن آپ کو کتنا عزیز ہے۔''

سروش گومگو کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ ہنس کر بولا ایک راز کی بات بتاؤں آپ کو کہ آپ کے کزن رضی صاحب عاصم کے ساتھ کچھ سازباز کرگئے ہیں۔ میں تو جاتا ہوں۔اور آپ اسے ذرا ڈرادھمکا کر معلوم کیجئے کہ آپ کے خلاف کونسی سازش تیار ہوئی ہے۔



اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

یہ سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ سروش پشیمان سی کھڑی کی کھڑی رہ گی۔

''سروش!!! عاصم نے پکارا۔تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرایا۔''یہاں آیئے۔''

وہ شش وپنج کے عالم یں کھڑی رہی۔ عاصم کی طرف دیکھنا بھی قیامت ہوگیا تھا۔وہ عجیب سی ہورہی تھی۔''سروش کیا آپ ابھی تک ناراض ہیں۔'' عاصم نے پوچھا۔

سروش نے پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔دو قدم آگے بڑھ کر اس کے بیڈ



تک آئی۔تھوڑا سا جھجکی اور تیزی سے بولی۔''ہاں میں ناراض ہوں۔ ناراض ہوں۔ بہت ناراض ہوں۔''

عاصم نے پریشان ہوکر اس کی طرف دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور ہولے سے بولی۔''میں بہت ناراض ہوں آپ سے۔''

اس کا دلکش چہرہ گلنار ہوا جاتا تھا۔اس نے گلابی ہونٹوں کا ایک گوشہ دانتوں تلے دبا لیا تھا۔اس کی آنکھوں میں خوشی جھلمل جھلمل کر رہی تھی۔''

''اچھا تو آپ بہت ناراض ہیں۔ عاصم بے ساختہ ہنس دیا۔'' تو ناراض رہیں۔ہمیں منانا آتا ہے۔''

سروش نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور شرما کر رخ پھیر لیا۔

(ختم شد)